مسلم پبلیکیشنز
MUSLIM PUBLICATIONS

کتاب .... اقوام عالم کے ادیان و مذاہب

مؤلف .... فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد حفظہ اللہ

ترجمہ: .... ابوعبداللہ محمد شعیب حفظہ اللہ

نظر ثانی: .... ابومحمد محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

تعداد 1100

اشاعت اول .... مئی 2007ء

ناشر .... مسلم پبلیکیشنز

سوہدرہ (گوجرانوالہ)

0322-4044013 055-6408834

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website www.darussalampk.com E-mail. info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

❸ مومن مارکیٹ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل) طارق روڈ پرنٹ شاپنگ مال، کراچی
فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937
Email darussalamkhi@darussalampk.com

اقوام عالم کے
ادیان و مذاہب
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
المسمّٰی بالنقوش الناضرۃ
فی ترجمۃ
الأدیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ
فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد حفظہ اللہ
ترجمہ: ابو عبداللہ محمد شعیب حفظہ اللہ
نظرثانی: ابو محمد محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

مضامین

عرضِ ناشر 10

تقدیم 13

سخن ہائے مترجم 15

چند اصولی باتیں 16

اعترافِ حقیقت 18

عرضِ مؤلف 21

ادیان وفرق اور موجودہ مذاہب کا [مقررہ] نصاب 22

نبوتیں 23

نبوتیں 23

لوگوں کے لیے انبیاء ورسل کی حاجت وضرورت 25

انبیاء ورسل کی سب سے بڑی ذمہ داری 27

نبوتوں کا تسلسل 28

سابقہ نبوتیں 29

توحید سے بت پرستی کی طرف انحراف اور نظریہ ارتقاء 31

یہودیت 36

تورات 38

تورات اور اس میں پیش آمدہ تحریف 39

تلمود 44

1۔ تلمود یروشلم 2۔ تلمود بابل 44

❁ تلمود کی بنیادی تعلیمات 44
❁ محرّف تورات میں ذات الٰہی 46
❁ تحریف شدہ تورات میں نبوتیں 48

نصرانیت / عیسائیت 51

❁ عیسائیت اور اس میں پیش آمدہ تحریف 52
❁ یہودی شاؤل اور اس کی تحریفِ مسیحیت 57
❁ شاؤل اپنے بارہ میں کہتا ہے 57
❁ شاؤل عیسائیت کی تحریف کی خاطر اس میں شامل ہوتا ہے 57
❁ انجیل اور اس کی تحریف 60
❁ تحریف انجیل 61
❁ انجیلیں اور ان کا باہمی تناقض 61
❁ انجیل متّٰی 65
❁ انجیل مَرقص 67
❁ انجیل لوقا 68
❁ انجیل یوحنا 69
❁ ان اناجیل کا باہمی تناقض 71
❁ انجیل برنابا / برنباس 74
❁ یہ انجیل کب دریافت ہوئی؟ 75
❁ اس انجیل کی دریافت کے بارہ میں عیسائی موقف 77
❁ دورِ حاضر میں عیسائیت کے پھیلے ہوئے عقائد 78
❁ کیتھولک 78
❁ آرتھوڈکس 79
❁ پروٹسٹنٹ 79

ہندومت / ہندو دھرم	81
❀ ہندودھرم کی اصل	81
❀ ہندودھرم کے مراحل	82
❀ ہندوؤں کی مقدس کتاب	83
❀ ہندوؤں کے ہاں معبود	84
❀ ہندوؤں کے بعض عقائد	85
❀ قوانین منو	86
بدھ مت	92
❀ مہاتمابدھ کے نظریات	96
❀ مہاتمابدھ کے ہاں الوہیت	96
❀ بدھ کے پیروکاروں کی واضح نشانیاں	97
❀ بدھ مت مہاتمابدھ کے بعد	97
دور حاضر میں افریقہ اور ایشیا میں بت پرستیاں	100
اسلام سے خارج کچھ فرقے	101
❀ اسماعیلیہ	101
❀ اصل باطنیہ	101
❀ اسماءباطنیہ	102
❀ فاطمیین	108
❀ دُروز	109
❀ نُصیریہ	110
قادیانیہ یا احمدیہ	112
❀ حکیم نورالدین بھیروی	113
❀ مرزاغلام احمد کا دعوائے نبوت	115

بہائیت 118

- عقائد باطنیہ 120
- ان فرقوں کی اسلام دشمنی 125
- ان کے بارہ میں اسلام کا فیصلہ 126

خوارج 128

- فرقِ خوارج 129
- مُحکّمہ اولیٰ 129
- خلاصۂ مذہب محکّمہ اولیٰ 135
- ازارقہ 136
- خلاصہ مذہب ازارقہ 140

نجدات 142

- نجدہ سے عطیہ کی بغاوت کا سبب اس کے یہ اعتراضات ہے 144
- خلاصہ مذہب نجدات 147
- صُفریہ 148
- خلاصہ مذہب صفریہ 157

عجاردہ 159

- خازمیہ 160
- شُعیبیہ 160
- میمونیہ 161
- خلفیہ 162
- معلومیہ 162
- مجہولیہ 163
- صلتیہ 163

۞ حمزیہ 163

⊙ خلاصہ مذہب عجاردہ 164

ثعالبہ 166

۞ معبدیہ 167

۞ اخنسیہ 167

۞ رشیدیہ 167

۞ مکرمیہ 168

۞ شیبانیہ 168

⊙ خلاصہ مذہب ثعالبہ 169

اباضیہ 171

۞ یزیدیہ 172

۞ حفصیہ 173

۞ حارثیہ 174

۞ ابراہیمیہ 175

۞ میمونیہ 176

۞ واقفیہ 176

۞ بیہسیہ 176

⊙ خلاصۂ مذہب اباضیہ 178

شیعہ 180

۞ **سبائیہ** 182

⊙ خلاصۂ مذہب سبائیہ 186

۞ **کیسانیہ** 187

۞ مختاریہ 189

⊙ خلاصۂ مذہب مختاریہ 195
❁ کربیہ 197
⊙ خلاصۂ مذہب کربیہ 198
❁ ہاشمیہ 199
⊙ خلاصۂ مذہب ہاشمیہ 199
❁ بیانیہ 200
⊙ خلاصۂ مذہب بیانیہ 202
❁ حربیہ 203
⊙ خلاصۂ مذہب حربیہ 205
❁ **زیدیہ** 206
❁ جارودیہ 210
⊙ خلاصۂ مذہب جارودیہ 211
❁ سلیمانیہ یا جریریہ 213
⊙ خلاصۂ مذہب سلیمانیہ یا جریریہ 214
❁ بتریہ یا صالحیہ 215
⊙ خلاصۂ مذہب بتریہ 216
❁ یعقوبیہ 218
❁ **رافضہ** 219
❁ محمدیہ 225
⊙ خلاصۂ مذہب محمدیہ 226
❁ **اثنا عشریہ** 227
اہل سنت وجماعت 228

❁❁❁

عرضِ ناشر

اسلام کی حقانیت، اس کے پاکیزہ عقائد اور عمدہ تعلیمات ہمارے دلوں میں اسی وقت جاگزیں اور جسموں سے آشکار ہوسکتی ہیں جب ہم دوسرے ادیان و مذاہب سے اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی کرنے والے فرقوں سے، اسلام کا تقابل کریں کیونکہ اشیاء اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں [تعرف الأشياء بأضدادها]۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک ﷾ کی ممتاز خوبی یہی ہے کہ انھوں نے تقابل ادیان کا خوب مطالعہ کیا، اس کے مبادیات کو ازبر کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے اقوام عالم میں پھیلا دیا۔ بنا بریں انتہائی مخالفت کے باوجود ہزاروں افراد اسلام کی دہلیز پر قطار میں کھڑے ہیں اور اس دینِ فطرت کے مقابلے میں دیگر ادیان و مذاہب لب بستہ نظر آ رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ ﴿هو الذي أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون﴾ ''وہ (اللہ) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی سمجھیں۔''

اس لیے تقابل ادیان کا موضوع جہاں دوسرے ادیان و مذاہب کے مذموم چہرے کو فطرت کے کٹہرے میں لاتا ہے وہاں اسلام کے نام پر اسلام ہی کی نقب زنی کرنے والوں کی نقاب کشائی بھی کرتا ہے۔ آج کم ہی لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدھ مت کا بانی کون تھا؟ اس کے نظریات کیا ہیں؟ ان کی کوئی کتاب بھی ہے؟ اس کے پیروکار دنیا میں کہاں کہاں موجود ہیں؟ کون جانتا ہے کہ انجیل کس نے لکھی؟ اور اس میں کس قدر تحریف ہوئی اور انجیل برنباس کو عیسائی کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کس کے علم میں ہے کہ یہودیوں کی فقہ کی کتاب تلمود کیا زہر اگل رہی ہے؟ کون اس سے واقف

ہے کہ باطنیوں نے اسلام کی جڑیں کیسے کھوکھلی کرنے کی سعی کی؟ کون اس سے آگاہ ہے کہ اسماعیلی اسلام کے حسین چہرے پر کس قدر گھناؤنا داغ ہیں؟ کس کے مطالعے سے یہ بات گزری ہے کہ مرزائیت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ الغرض یہ بڑی اہمیت کا حامل موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودیہ، پاکستان اور مصر وغیرہ کی بڑی بڑی جامعات میں یہ فن شامل نصاب ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شیبة الحمد کی کتاب ''الأَدْیَانُ وَالفِرَقُ وَالْمَذَاهِبُ الْمُعَاصِرَةُ'' نے مذکورہ بالا اور اس جیسے کئی سوالات کافی حد تک حل کر دیے ہیں۔ اس کتاب کے لیے کیا یہ کسی اعزاز سے کم ہے کہ یہ عالم اسلام کی مایۂ ناز مدینہ یونیورسٹی میں گریجوایشن میں بطور نصاب شامل ہے۔ اس کا اسلوب نگارش دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اس تحقیقی کاوش میں مؤلف ﷾ نے ادیان و مذاہب اور فرقوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، ان کے بانیان کے حالات سامنے رکھے ہیں، ان ادیان و مذاہب کی ابتدا کے متعلق بتایا ہے، ان کے عقائد و نظریات واضح کیے ہیں، ان کی مقدس کتابوں کا ذکر کیا ہے، اور مختصر طور پر اسلام سے ان کا تقابل کیا ہے، نیز اسلام میں ان باطل گروہوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اسے بھی آشکار کیا ہے۔ ہر مذہب اور ہر فرقے پر مضامین کے آخر میں اس مذہب کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ اس نادرۂ روزگار کتاب کی اسی افادیت نے فضیلۃ الاستاذ ابوعبداللہ مولانا محمد شعیب ﷾ کے ذوق ادب و لغت کو مہمیز لگائی اور انھوں نے بہت محنت اور لگن سے اس کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمے کا حرف حرف رواں، لفظ لفظ سلیس اور سطر سطر سادہ و عام فہم اسلوب میں پروئی ہوئی ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود ترجمہ متن کے قریب تر ہے۔ مزید براں آپ نے دور حاضر میں رائج اصطلاحات اور معروف اسماء کو اختیار کیا ہے تاکہ قاری کسی تشویش میں نہ پڑے، مثلاً بدھ مت کو عربی میں [البوذیة] کہا جاتا ہے، اس کا ترجمہ مترجم نے بدھ مت کیا ہے۔ کیتھولک کو [الکاثولیك] کہا جاتا ہے، آپ نے کیتھولک لکھا ہے، علی ہذا القیاس۔ اسی طرح مترجم ﷾ کے انتہائی مفید حواشی بھی اس معلوماتی کتاب کو چار چاند لگاتے ہیں۔ اس پر نظر ثانی کا کام استاذ ابومحمد محمد ادریس اثری ﷾ کی شبانہ روز

محنتوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اساتذہ کرام حفظہم اللہ کی ان مساعی کو قبولیت کے اعزاز سے نوازے۔ آمین!

مسلم پبلیکیشنز کے لیے یہ بات قابل اعزاز ہے کہ ہم بحمد اللہ اساتذہ کرام کی اس کاوش کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے یہ جویانِ حق اور داعیانِ دین کے لیے چراغ راہ ثابت ہو۔[اللّٰهم تقبل من المقلّين جهدَهم]

خیر اندیش

محمد ادریس فاروقی

ڈائریکٹر: **مسلم** پبلیکیشنز

سوہدرہ/لاہور

05/05/07

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ، و اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی الساعۃ، من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و اھتدی و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل و غویٰ۔

اما بعد!

راقم الحروف نے اللہ رب العزت کی ودیعت کی ہوئی توفیقِ خاص سے فضیلۃ الاخ حضرت حافظ محمد شعیب حفظہ اللہ کی کتاب النقوش الناضرة فی ترجمة الأدیان والفِرَق والمذاھب المعاصِرة کو بغور پڑھا ہے۔ حضرت حافظ صاحب حفظہ اللہ نے واقعی اپنے منفرد اسلوب اور بڑی کاوش اور محنت سے صاحب کتاب کی ترجمانی کی ہے۔

قبل ازیں اس کتاب دقیق کا کوئی ایسا جامع ترجمہ آنکھوں سے نہیں گزرا، یہ ایک نہایت مبارک قدم ہے جو اہل علم کے لیے انتہائی مفید و معاون ثابت ہوگا ان شاء اللہ!

دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے مترجمین عبارت کا بالمفہوم ترجمہ کر جاتے ہیں اور بعض بالکل لفظی ترجمہ کرتے ہیں کہ عبارت کا صحیح اور واضح حل سامنے آنے کی بجائے عبارت مزید اغلاط کا شکار ہو

جاتی ہے اور پڑھنے والوں کے لیے پیچیدگی کا باعث بن جاتی ہے حضرت حافظ صاحب ﷿ کے ترجمہ میں دونوں طرح کی کمی کو پورا کیا گیا ہے جو فی الوقت معلمین واساتذۂ کرام اور طلبائے دینیہ کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

راقم الحروف نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے گاہے بگاہے وقت نکال کر مکمل مسودہ دیکھا پڑھا اور اپنی کم مائیگی ونقص علمی کے باوصف جہاں ضرورت محسوس کی قلم کی نوک کو جنبش دی۔

بہر حال میں اللہ تعالیٰ سے حضرت حافظ صاحب ﷿ کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کے زورِ بیان اور تحریر قلم میں مزید اضافہ فرمائے اور آپ کے ذوق علم ومطالعہ اور شوق تدریس وتصنیف اور میدان تالیف میں دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد ابو محمد محمد ادریس اثری عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث اسلامک ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ
مہانتا نوالہ رینالہ خورد۔ اوکاڑہ
24-08-2006

سخن ہائے مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشْرَفِ الْأَنْبِیَاءِ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّینِ وَعَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ

امابعد!

درسی کتب کے ترجمہ وتشریح سے نہ صرف یہ کہ عزیز طلبہ ہی استفادہ کرتے ہیں بلکہ محترم اساتذہ کرام ومدرسین عظام کے لیے بھی یہ ترجمہ اصل کتاب کے حل کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے جس کتاب کی شرح یا ترجمہ میسر نہ ہو اساتذہ کرام اسے پڑھانے کے لیے اپنے ذمہ لینے سے کتراتے ہیں کیونکہ مدرسِ محترم ترجمہ وشرح کے بغیر اپنے آپ کو اکیلا سا محسوس کرتے ہیں جبکہ ترجمہ یا شرح ان کے لیے ایسا ساتھی ہوتا ہے جسے کھول کر وہ کسی بھی وقت اپنے پیش آمدہ اشکال کا حل پوچھ سکتے ہیں۔

المملکۃ العربیۃ السعودیۃ (زادھا اللہ إیاھا وأھلھا والقائمین بأمرھا عزا و شرفا) کی جامعات کے فضلاء کرام جب علم میں مزید توسیع اور اتقان کے بعد وطن عزیز واپس لوٹے تو علم کے لآلی وجواہر کے ساتھ کئی دیگر سوغات بھی لے کر آئے۔

﴿الأدیان والفرق والمذاھب المعصرۃ﴾ کا بطور ایک نصابی کتاب تعارف بھی انہی کے حصے میں آیا۔ (ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

مذکورہ کتاب کئی سالوں سے ہمارے کئی ایک مدارس میں داخل نصاب ہے لیکن کسی بھی ترجمہ یا شرح سے محروم چلی آ رہی تھی۔ گذشتہ سالوں میں مجھے اس کی تدریس کا موقع ملا مگر بعض مقامات تشنہ رہ جاتے اور پڑھانے میں تسلی نہ ہوتی، انہی ایام میں میرے بعض بھائیوں نے مجھے اس کا ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا کچھ سوچ وبچار کے بعد إستخرت الله وبدأت فيها بحمد الله وتوفيقه.

ترجمہ وتعریب کا ذوق بحمد اللہ دور طالب علمی ہی سے تھا کسی بھی چیز میں دلچسپی انسان کے لیے نئی راہیں کھولتی ہے جن سے آدمی خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرے بھی مستفید ہوتے ہیں۔

چند اصولی باتیں

کسی بھی زبان سے ترجمہ کرتے وقت اس کا لفظی ترجمہ کر دینا صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ترجمہ سے ''مترجم منہ'' کی ''مترجم الیہ'' میں وضاحت وتشریح مقصود ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ ترجمہ ممکن ہی نہیں کیونکہ ہر زبان کا اپنا اسلوب اور ترکیب وجملہ کے بارہ میں اس کے اپنے قواعد ہوتے ہیں، پھر اگر ایسا کر بھی لیا جائے تو اہل زبان کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا اس لیے ''مترجم الیہ'' زبان کے اصول وقواعد کا لحاظ وپاس ضروری ہے۔ ہمارے ہاں دینی مدارس میں خال خال اساتذہ کرام اس کا اہتمام کرتے نظر آتے ہیں۔

مثلاً: ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ کا ترجمہ عام طور پر ''شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' کیا جاتا ہے، مگر غور سے دیکھا جائے تو اُردو ترکیب کے لحاظ سے اس میں کئی ایک خامیاں ہیں کیونکہ اُردو ترکیب میں:

① پہلے فاعل پھر مفعول پھر متعلقات اور آخر میں فعل آتا ہے جبکہ عربی کی ترکیب میں پہلے فعل پھر فاعل پھر مفعول اور آخر میں متعلقات آتے ہیں، جیسے: ''ضرب'' فعل ''الأستاذ'' فاعل ''تلميذه'' مفعول ''على غيابه عن الدرس بالعصا'' متعلقات۔

''استاد صاحب'' (فاعل) نے (علامت فاعل) ''اپنے شاگرد'' (مفعول) کو علامت مفعول ''سبق سے غیر حاضری پر لاٹھی سے'' (متعلقات) اور مارا (فعل)۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کے مذکورہ ترجمہ میں ''شروع کرتا ہوں'' فعل ہے جسے شروع کی بجائے آخر میں آنا چاہیے۔

② عربی میں مضاف پہلے آتا ہے اور مضاف الیہ بعد میں، جیسے: رسول اللہ اور بیت اللہ، جبکہ اُردو میں اس کے برعکس، یعنی مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا ہے جیسے اللہ کا رسول اور اللہ کا گھر۔

③ عربی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے جیسے: ''كِتَابٌ مُفِيدٌ'' اور ''تِلْمِيذٌ مُجْتَهِدٌ'' جبکہ اُردو میں اس کے برعکس یعنی پہلے صفت پھر موصوف جیسے ''مفید کتاب'' اور ''محنتی شاگرد۔''

④ ''ہے'' اور ''ہیں'' وغیرہ اُردو میں تکمیل جملہ کی علامات ہیں جیسے: فارسی میں ''است'' اور ''اند'' وغیرہ۔

اب ذرا غور فرمائیے! ﴿اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ مرکب توصیفی ہے یا مرکب تام؟ یہ تینوں مجرور ہیں لفظ ''اللّٰه'' اس لیے مجرور ہے کہ وہ مضاف الیہ ہے، ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' اس لیے مجرور ہیں کہ وہ اس کی صفات ہیں۔

مذکورہ چار قواعد کی روشنی میں ''بسم اللّٰه'' کے ترجمہ میں پہلے فاعل آئے گا۔ یعنی ''میں'' پھر صفات یعنی ''بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے'' پھر موصوف جو مضاف الیہ بھی ہے یعنی لفظ ''اللّٰه'' پھر مضاف یعنی ''نام'' جو مجرور بھی ہے پھر حرف جار یعنی ''سے'' کیونکہ اُردو میں جار مجرور کے بعد آتا ہے، جیسے: ''کتاب پر'' اور ''قلم سے'' اور آخر میں فعل یعنی ''شروع کرتا ہوں'' آئے گا اس لیے ترجمہ ہوگا:

''میں بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔''

❁ نیز یہ بات بھی یادر ہے کہ اُردو میں جب خبریں یا صفات ایک سے زیادہ ہوں تو آخری سے پہلے ''اور'' آتا ہے، جیسے: ''زید نے ایک اعلیٰ، پائیدار اور قیمتی گھڑی خریدی'' اور خبریں متعدد ہونے کی صورت میں کہا جائے گا ''یہ ایک اعلیٰ، پائیدار اور قیمتی گھڑی ہے''

بنابریں اس ترجمۂ کتاب میں بھی اسی اسلوب کو ملحوظ خاطر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ:

① بعض مقامات پر مفید توضیحی حواشی کا اضافہ۔

② غیر معروف اسماء کا ضبط تلفظ۔

③ متن کتاب میں موجود اخطاء مطبعیہ کی حتی الوسع تصحیح۔

④ آیات قرآنیہ کی سورتوں اور آیت نمبر کی تعیین۔

⑤ اور احادیث نبویہ کی تخریج وغیرہ بھی آپ کو اس ترجمہ میں ملے گی۔ ان شاء اللہ۔

چونکہ ''الأدیان والفرق'' ایک درسی کتاب ہے اس لیے عبارت کے معنی ومفہوم پر اکتفا کرنے کی بجائے متن کتاب کے حل کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ایسے ہی چونکہ یہ کتاب مدارسِ عربیہ کے منتہی طلباء کے نصاب کی کتاب ہے جنہیں ایک حد تک عربی زبان پر عبور ہوتا ہے اس لیے بہت سے مشہور عربی الفاظ خصوصاً اسماء حرکات مثلاً: فتحہ، ضمہ، اور کسرہ وغیرہ کا استعمال عربی میں ہی یہاں ملے گا جو ان طلبہ کے لیے ایک عام سی بات ہے۔

اثناء ترجمہ مختصر وضاحت کے لیے [ ] کا استعمال کیا گیا ہے جبکہ ( ) کا استعمال اصل متن کا ہی ہے۔

اعترافِ حقیقت

مولانا ابو محمد محمد ادریس اثری ﷾ شیخ الحدیث اسلامک ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ مہانتا نوالہ اوکاڑہ میرے محسن اور مشفق رفیق ہیں، علمی آدمی ہیں، علمی موضوعات پر ان سے گفتگو ہوتی رہتی ہے،

تکمیل ترجمہ کے بعد نظر ثانی کے لیے میری نگاہِ انتخاب انہی پر پڑی جسے انھوں نے بخوشی قبول فرمایا اور پھر نظر ثانی کا حق ادا کر دیا اور ایسی باریکیوں تک پہنچے جہاں اس عاجز کی رسائی نہیں ہوئی تھی، پھر نہ صرف ذوق ومحنت سے نظر ثانی فرمائی بلکہ میری درخواست پر کتاب کے لیے ایک مفید مقدمہ بھی تحریر فرمایا، اور درحقیقت دیباچہ ومقدمہ لکھنا اسی کا حق ہے جو اول تا آخر کتاب کو پڑھے اور جو آدمی جستہ جستہ مقامات پڑھنے پر اکتفا کرے اس کا دیباچہ ومقدمہ......

جذبہ ومحنت کے ساتھ اس کارِ خیر میں انھوں نے جو حصہ ڈالا ان کا یہ احسان تادیر یاد رہے گا۔ ان شاء اللہ

جزاه الله خيرا على هذه المساهمة وتقبلها منه وجعلها من صالح اعماله ووقانا الشرور والفتن وجمعنا ايانا وأهالينا وأقربائنا وأصدقائنا لديه في الزلفى وحسن مآب ـ آمين

گزارشے و نصیحتے: یہ ترجمہ دراصل محترم اساتذہ کرام ومدرسین عظام (بارك الله تعالى في جهودهم ومساعيهم وتقبلها منهم) کی سہولت کی خاطر تحریر کیا گیا ہے۔

رہے عزیز طلبا تو راقم کے خیال میں انہیں تراجم اور خلاصہ جات کا سہارا لینے سے گریز ہی کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے کتاب میں رسوخ پیدا نہیں ہوتا اور الفاظ کا وافر ذخیرہ ذہن میں جمع نہیں ہو پاتا، البتہ امتحان سے ایک آدھ ماہ قبل اسباق کی دھرائی کے دوران اساتذہ کرام کی عدم موجودگی میں یا بار بار مراجعت کی زحمت سے بچنے اور قیمتی وقت بچانے کی خاطر ان تراجم سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فالرجو من الأساتذة السادة الكرام أن لا يبخلوا بإرسال ملاحظاتهم أثناء القراءة والمطالعة والتدريس وباقتراحاتهم وآرائهم الثمينة للإصلاح المزيد، لأنه كما قيل:

فعين الرضا عن كل عيب كليلة
ولكن عين السخط تبدى المساويا

بقلم العبد العاجز
ابو عبد الله محمد شعيب
من ساكني القرية 36 گ ب
ستيانه فيصل آباد
غرة ذي القعدة1427ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ ①

تمام تعریفیں جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور [اچھا] انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور مکمل وتام دُرود وسلام ہوں خیر الانبیاء اور سید المرسلین پر اور آپ کے خاندان پر اور بالخصوص آپ کے بہترین اور پاکیزہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور تا قیامت جو کوئی ان کے راستے کو اپنائے، ان کے قدموں کے نشانات کا خیال رکھے اور ان کے منہج وانداز کو اختیار کرے [ان سب پر بھی درود وسلام نازل ہوں]۔

رہی اس حمد وصلاۃ کے بعد کی بات تو [وہ یہ ہے کہ] یہ ایک رسالہ ہے دینوں، فرقوں اور موجودہ مذاہب کے بارہ میں، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (زادھا اللہ عزا وشرفا) میں شریعت کالج اور [دعوہ و] اصول الدین کالج میں بی اے کی سند کے [امیدوار] طلباء کے لیے مقرر کردہ نصاب کے مطابق ہے، میں نے اس میں سہل اسلوب اور واضح مقصد [اپنانے] کی کوشش کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اکیلے ہی سے مدد کی درخواست ہے۔

① ''بسم اللہ'' کا ترجمہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں مروجہ ترجمہ کے مطابق نہیں بلکہ اس سے کچھ ہٹ کر ہے اس کی توجیہ کے لیے گذشتہ صفحات ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

ادیان وفرق اور موجودہ مذاہب کا[مقررہ] نصاب

① نبوت عام معنی کے لحاظ سے۔

② سابقہ نبوتیں۔

③ توحید سے بت پرستی کی طرف انحراف۔

④ یہودیت۔

(1) تورات اور اس میں پیش آمدہ تحریف۔

(2) تلمود۔اس کی تعریف اور بنیادی تعلیمات۔

(3) تحریف شدہ تورات میں ذات الٰہی۔

(4) تحریف شدہ تورات میں نبوتیں۔

⑤ عیسائیت اور اس میں پیش آمدہ تحریف۔

انجیل اور اس کی تحریف۔اناجیل اور ان کا باہمی تناقض، انجیل برنابا۔دور حاضر میں عیسائیت کے پھیلے ہوئے عقائد۔

⑥ ہندومت۔ بدھ مت

⑦ افریقہ اور ایشیا میں[پھیلی ہوئی] دورِ حاضر کی بت پرستیاں۔

⑧ اسلام سے خارج فرقے۔

(1) اسماعیلیہ یعنی (آغا خانیہ) (2) درزیہ (3) نصیریہ

(5) قادیانیہ[مرزائیت] (6) بہائیہ

⑨ موجودہ اسلامی فرقے:

(1) خوارج (2) شیعہ (3) اہل سنت وجماعت

نبوتیں

نبی کی لغوی تعریف: کہا گیا ہے کہ یہ ''نبأ '' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے خبر عظیم ۔اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ''نبوۃ'' یا[1] ''نباوۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بلند زمین اور اونچا مقام اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں کہ یہ دونوں ہی اس لغوی اصطلاح میں ملحوظ ہوں، کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ کے ہاں سے خبر عظیم لے کر آتا ہے، ایسے ہی وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کے ہاں بلند شان اور عظیم المرتبہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ اپنی قوم کے معزز افراد میں سے ہوتا ہے، اسی لیے حدیث ہرقل [جو شام میں ہرقل اور ابوسفیان کے مابین گفتگو پر مشتمل ہے] میں ہے ''اور ایسے ہی رسول اپنی قوم کے حسب ونسب والے افراد میں سے ہوتے ہیں۔''[2]

اور رسول لغت میں وہ شخص ہے جو پیغام یا خط دے کر کسی کی طرف بھیجا جائے۔

رہی اصطلاحی تعریف: تو نبی وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نئی شریعت دے کر بھیجے اور وہ اس کی طرف دعوت دے یا اسے کسی سابقہ نبوت کی تائید وحمایت کے لیے بھیجا گیا ہو، اور رسول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت دے کر بھیجا ہو اور وہ اپنی امت کو اس کی طرف دعوت دیتا ہو۔تو معلوم ہوا کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا گویا ان کے مابین عموم خصوص مطلق کی

---

[1] ''نبوۃ'' کے ضبط کے بارہ میں مصنف محترم لکھتے ہیں: ''النبوۃ بفتح النون المشددۃ وسکون الباء'' جبکہ لفظ کے شروع میں حرف مشدد نہیں آیا کرتا، اس لفظ کو ''ال'' سے خالی کر کے پڑھیں تو اس کا تشدید سے پڑھنا متعذر ہے، اس لیے ''المشددۃ'' کا لفظ عبارت میں زائد معلوم ہوتا ہے، یہاں نون پر تشدید اس لیے پڑھی جا رہی ہے کہ ''ال'' کے بعد حرف شمسی ''ن'' آیا ہوا ہے، جیسے: ''النور یا النار''۔

[2] صحیح البخاری، حدیث 5.

نسبت ہے۔[1] اور اس میں نبی اعم ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''نبی وہ ہے جسے شریعت ملے اور اسے اس کی تبلیغ کا حکم نہ ہو اور رسول وہ ہے جسے شریعت ملے اور اسے اس کی تبلیغ کا بھی حکم ہو۔''

یہ ایک عجیب سی تعریف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اہل علم سے اس بات کا پختہ عہد لیا ہے کہ وہ علم کو نہیں چھپائیں گے، اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو علم چھپاتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جنھیں کتاب دی گئی پختہ عہد لیا کہ تم ضرور اسے لوگوں میں بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں پس انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے عوض تھوڑا مول لے لیا جو کچھ یہ لے رہے ہیں وہ بہت برا ہے۔''[2]

جبکہ اللہ تعالیٰ تورات کے وصف کے ضمن میں انبیا وعلماء بنی اسرائیل کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''[اللہ تعالیٰ کے] تابع فرمان انبیاء کرام اور اسی طرح رب پرست اور علماء اس [تورات] کے مطابق ان کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یہودی بنے کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔''[3]

اسی طرح ارشاد فرمایا:

''کیا آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جب انھوں نے اپنے نبی[4] سے کہا ہمارے لیے کوئی بادشاہ بنا کر بھیجے تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں

---

① صاحب کتاب حفظہ اللہ نے کتاب میں بعض مقامات پر منطقی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں ''عموم خصوص مطلق'' بھی انہی میں سے ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ طلباء کو منطق کی ایک دو کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں کیونکہ اسلاف کی کتب میں اس کی اصطلاحات کا جابجا استعمال ملتا ہے۔ اگر یہ کتابیں پڑھی ہوں تو ایسی کسی اصطلاح کے آنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اصطلاحی لفظ ہے اس لیے اسے اصطلاحی کتب میں ڈھونڈا جائے۔

② آل عمران 3 87۔

③ المائدة 5 44.

④ هو اشمويل أو شمعون أو يوشع، جامع البيان البقرة 246.

قتال و جہاد کریں۔ ①

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ:

''ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جب اس نے کوئی خواہش یا تلاوت کی تو شیطان اس کی خواہش یا تلاوت میں خلل انداز ہوگیا۔'' ②

اس بات پر دال ہے کہ ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی قوم کے سامنے تلاوت کی یا اپنی قوم کی ہدایت کی خواہش کی، تو [معلوم ہوا کہ] نبی کی ذمہ داری اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنی ذات تک محدود نہیں۔

لوگوں کے لیے انبیاء ورسل کی حاجت وضرورت

یہ بات مسلّم ہے کہ انسان فطرتاً مل جل کر رہنے والا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی فطرت وطبیعت پر پیدا کیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے طعام ولباس اور [دیگر] حاجات وغیرہ میں دوسروں سے مستغنی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت وکیفیت پر اس کی تخلیق کی ہے جو غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، پھر اللہ تعالیٰ نے فطرتی طور پر اس کی تلاش وجستجو کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر انسان اس بات سے عاجز ہے کہ اپنے لیے وہ کم سے کم اسباب معیشت بھی مہیا کرسکے جن پر اس کا گزارہ چل سکے، چنانچہ اسے بنیادی ضروریات زندگی بھی بہت سے لوگوں کے کام کے ذریعے سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

[اب دیکھیے] مثلاً: وہ روٹی جو انسان کھاتا ہے بہت سے لوگوں کے کاموں، یعنی ہل چلانے، بیج بونے، سیراب کرنے، کھیتی کاٹنے، گاہنے، پیسنے، گوندھنے اور پکانے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور مذکورہ سب کام ایسے آلات سے سرانجام پاتے ہیں جو کئی صنعتوں کے محتاج ہیں اور اکیلا آدمی یہ سب کام نہیں کرسکتا۔

پھر جب انسانوں کی طبائع مختلف المقاصد اور متضاد خواہشات ومیلانات والی ہیں اور ہر انسان اپنی حاجات کی برآری اور خواہشات کی تکمیل میں ہر مشکل وآسان کام کر گزرتا ہے تو اس

① البقرۃ 2 246۔ ② الحج 22 52۔

سے بعض اوقات دوسرے لوگوں کی حاجات وخواہشات سے معارضہ ہو جاتا ہے جس سے خون ریزی اور آبروریزی تک نوبت جا پہنچتی ہے، چنانچہ بسا اوقات قوی ضعیف کو کھا جاتا ہے اور قلیل کثیر کو فنا کر دیتا ہے، اسی طرح عقل انسانی بھی دنیا وآخرت کی بھلائی کو محیط نظام کے وضع کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ انسان بسا اوقات خیر کو شر اور شر کو خیر سمجھ لیتا ہے، بقول شاعر ؎

"اپنی ابتلا وآزمائش کے زمانہ میں انسان [گویا] مر جاتا ہے حتی کہ وہ اس چیز کو جو اچھی نہیں اچھی سمجھنے لگتا ہے۔"

اور عموماً انسان اپنی مصلحت پہچاننے سے عاجز ہو جاتا ہے، اس لیے لوگ مجبوراً ایک نظام کے محتاج ہیں جو ان کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہر حقدار کے لیے اس کا حق متعین کرے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ عقلاء کی ایک جماعت باہم مل کر ایسا کوئی نظام بنا لے تو یقیناً وہ ناکام رہیں گے کیونکہ افراد، جماعتیں اور اقوام اشیاء کی حقیقت کو جانچنے میں، جبکہ حالات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، مختلف ہیں۔ اس لیے کہ انسان کی عقل جس قدر بھی وسیع ہو جائے اور وہ علم وثقافت میں جس قدر بھی اونچا ہو جائے، شعوری یا لاشعوری طور پر وہ اپنے معاشرے کی معلومات، تربیت اور عادت کے تابع ہی ہوتا ہے۔

اس لیے جو قوانین انسان بناتا ہے ان میں استقرار، پائیداری اور دوام نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ درستگی یا تبدیلی کے محتاج رہتے ہیں، نیز یہ نفس انسانی کی اعلیٰ منہج پر تربیت سے بھی قاصر رہتے ہیں اس لیے لوگ ایک ایسے نظام کے محتاج ہیں جسے اللہ ارحم الراحمین اور احکم الحاکمین، جس سے زمین وآسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں، وضع کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر امت میں ایک (خبردار کرنے والا) پیغمبر بھیجے تاکہ وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ متعین کرے اور ان کی دینی اور دنیاوی سعادت کے نشانات واضح کرے اور تاکہ بھٹکنے والے لوگ یہ نہ کہہ سکیں: "ما جاء نا من بشیر ولا نذیر" کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا یا ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اس بارہ میں

رب کریم فرماتے ہیں:

''[ہم نے] خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول [بھیجے] تاکہ [ان] رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔''①

نیز ارشاد فرمایا:

''اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے وہ کتاب کی ان بہت سی باتوں سے پردہ اٹھاتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں کو چھوڑ دیتا ہے، تحقیق تمہارے پاس اللہ کے ہاں سے ایک نور، یعنی واضح کتاب آئی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہوں سلامتی کے راستوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور انہیں اپنی توفیق سے اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔''②

انبیاء ورسل کی سب سے بڑی ذمہ داری

وہ عظیم ذمہ داری جو انبیاء کرام کو سونپی گئی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے بچانا اور انہیں توحید کو بمعہ اس کی تمام اقسام، اللہ تعالیٰ کے لیے [شرک کی الائشوں سے] خالص کرنے کی دعوت دینا تھا، اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے میری عبادت کرو۔''③

نیز فرمایا:

''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا [جس کا پیغام تھا] کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بتوں [کی عبادت] سے بچو۔''④

① النساء 4: 165. ② المائدة 5: 16. ③ الأنبياء 21: 24. ④ النحل 16: 36.

نبوتوں کا تسلسل

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس نے ہر امت میں ایک ڈرانے والا بھیجا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [1]

یعنی ''ہر امت میں ایک خبردار کرنے والا گزر چکا۔'' اس کا معنی یہ بھی نہیں کہ جب بھی کوئی رسول فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ اس بستی یا شہر میں دوسرا رسول مبعوث ہو جاتا، تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ [دیکھیے] اس پورے جزیرہ نمائے عرب۔ حضرموت سے بُصریٰ [2] اور عقبہ تک۔ میں اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں:

''کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے اس قومِ عرب میں ان دو عظیم ہستیوں کا ہمیشہ چرچا رہا، اگرچہ یہ قوم ان کے ایک عرصہ بعد عمرو بن لُحی کے دور میں ملت توحید سے ہٹ کر بتوں کی عبادت کی طرف چلی گئی۔''

رہا مشرکین کا یہ قول ''کہ اگر ہمارے پاس کوئی پیغمبر آئے تو ہم کسی بھی امت سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوں گے'' جسے اللہ تعالیٰ نے ان سے منسوب کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور انھوں نے اپنی پکی قسمیں کھائیں کہ البتہ اگر ان کے پاس کوئی پیغمبر آیا تو وہ کسی بھی امت سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوں گے۔'' [3]

---

[1] فاطر 35: 24.

[2] و قد جاء فی الحدیث [إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰی (صحیح مسلم، الایمان، باب ادنی أهل الجنة منزلة، حدیث:194)] وهو یضم اوله واسکان ثانیه وفتح الراء المهملة یہ شام کا پرانا مشہور شہر ہے دمشق سے تین دن اور مکہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے یہی حوران شہر ہے۔ عراق کا بصرہ اور ہے۔ (نووی 1: 112/1، و معجم مااستعجم 233/1.)

[3] فاطر 35: 42.

تو اس سے مراد نیا پیغمبر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی نبوت کو تو وہ مانتے تھے اگرچہ دین حنیف پر عمل پیرا نہیں تھے۔

سابقہ نبوتیں

اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء ورسل بھیجے بعض کے واقعات ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو بتلائے اور بعض کے نہیں، اسی بارہ میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ان میں سے بعض کے واقعات آپ کو بتلائے اور بعض کے نہیں۔''①

وہ کل انبیاء کرام جن کے واقعات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے پچیس ہیں، سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا﴾ والی چار آیات اٹھارہ انبیاء کرام کے تذکرہ کو محیط ہیں، جن میں ذکر ہے:

''اور یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کے درجات چاہیں بلند کرتے ہیں، یقیناً آپ کا رب علم وحکمت والا ہے، اور ہم نے اسے اسحاق اور [ان کے بعد] یعقوب (علیہما السلام) عطا کیے سب کو ہدایت دی اور نوح (علیہ السلام) کو پہلے سے ہدایت دی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو سیدھی راہ دکھلائی، ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحیٰی، عیسی اور الیاس (علیہم السلام) کو سیدھی راہ دکھلائی، یہ سب نیکوں میں سے تھے۔ اسماعیل، یسع، یونس اور لوط (علیہم السلام) کو صحیح راستہ دکھایا اور ہم نے [ان] سب کو جہان والوں پر فضیلت بخشی۔''②

رہے پچیس میں سے باقی [سات] تو وہ آدم، ادریس، ھود، صالح، شعیب، ذوالکفل علیہم السلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں، بعض علماء نے انہیں اس شعر میں نظم کر دیا ہے وہ کہتے ہیں۔

① النساء 4: 164۔ ② الأنعام 6: 84 تا 87۔

فی ﴿تلك حجتنا﴾ منهم ثمانية من بعد عشر ويبقى سبعة وهمو
إدريس، هود، شعيب، صالح وكذا ذو الكفل، آدم، بالمختار قد ختموا

﴿تلك حجتنا﴾ [والی آیت] میں ان میں سے آٹھ کا تذکرہ ہے دس کے بعد [یعنی اٹھارہ] باقی سات بچتے ہیں اور وہ ادریس، ھود، صالح اور ایسے ہی ذوالکفل (علیہم السلام) ہیں، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور چنے ہوئے نبی آدم سے یہ مکمل ہو گئے۔

اس بارہ میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون سا رسول بھیجا گیا، چنانچہ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾[1]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران (علیہم السلام) کو جہان والوں میں سے چن لیا'' سے استدلال کرتے ہیں۔

اہل علم کی ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں، دلیل حدیث شفاعت ہے جس میں ذکر ہے:

''اے نوح! آپ سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔''[2]

پہلے قول والے علماء فرماتے ہیں: نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جنھوں نے اپنی قوم کو اس شرک سے ڈرایا جس میں وہ مبتلا ہو گئی تھی، نوح علیہ السلام سے قبل اولاد آدم کے گناہ شرک تک نہ پہنچے تھے[3] وہ صرف قتل وغیرہ تک محدود تھے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] آل عمران 3: 33.

[2] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه﴾، حديث: 3340.

[3] رسول کا کام صرف شرک ومعاصی سے روکنا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اس کے منصب کا ایک پہلو ہے جبکہ دوسرا اہم پہلو امر بالمعروف ہے، یعنی عبادات کے طریقے اور ان کی صورتیں بتلانا، اچھے اعمال کی ترغیب دینا اور حسن اخلاق سے ان کی کردار سازی کرنا، اس لیے شرک پیدا ہونے سے قبل اور قتل ومعاصی سے پہلے بھی مخلوق رسول کی محتاج تھی جس کے لیے آدم علیہ السلام کو رسول ماننا ناگزیر ہے۔

توحید سے بت پرستی کی طرف انحراف [اور نظریہ ارتقاء]

عام غیر مسلم مؤرخین اور ایسے ہی ان کے مقلد مسلمان مؤرخین نظریہ ارتقا کی بنا پر سمجھتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں بت پرستی توحید سے سابق ومقدم ہے، چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ سورج کی خود اپنے گرد تیز گردش کے دوران ایک ٹکڑا اس سے الگ ہوگیا جو آہستہ آہستہ اس سے دور ہونے لگا اور اپنے اصل [سورج] کے مدار کی طرح اپنے لیے مدار بنانے لگا یہی ٹکڑا زمین ہے۔

یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ لمبا زمانہ گزرنے سے سطح زمین ٹھنڈی ہوگئی اگرچہ اس کا اندرونی حصہ گرم ہی رہا اور اسے پانیوں نے گھیر لیا، پھر ایک لمبا زمانہ گزرنے سے ان جراثیم اور کیڑوں کی طرح جو کسی بھی بدبودار پانی میں پیدا ہو جاتے ہیں یہاں بھی آبی حیوانات نے جنم لیا۔

یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ من جملہ ان آبی حیوانات کے انسان بھی تھا، اس مدت میں وہ انسان پر ''آبی انسان'' کا اطلاق کرتے ہیں، پھر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ آبی حیوان [انسان] سمندر کے کناروں کی طرف نکلنے لگا، ان پر اگی گھاس کھاتا تاکہ وہ سمندر میں مگرمچھوں کی سی زندگی گزارے۔ اس مدت میں وہ انسان پر ''الحیوان البرمائی'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ ①

پھر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ حیوان [انسان] میں تاریخ کے لمبے ادوار کے بعد بہت سے بری اور جنگلی حیوانات سے ممتاز اور جدا ہونے کی [خود بخود] استطاعت پیدا ہوگئی اور وہ مختلف قسم کے ہتھیار مثلاً: پتھر وغیرہ استعمال کرنے لگا اور ان باقی حیوانات سے، جو اس لحاظ سے ممتاز نہیں ہو سکے تھے، اونچا بن گیا اور ترقی کر گیا۔

پھر وہ خیال کرتے ہیں کہ اسی طرح انسان نے تاریخ انسانی سے ان دور کے زمانوں میں دین ومذہب کو پہچانا اگرچہ وہ انسان کے پہلے پہل دین کو اپنانے کی کیفیت کے بارہ میں باہم اختلاف کرتے ہیں لیکن اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی تاریخ میں بت پرستی توحید سے سابق ومقدم ہے۔

ان میں سے اکثر کا خیال ہے کہ انسان کا پہلے پہل دین کو پہچاننا اس طریقہ پر تھا جو بعض

① البرمائی بر اور ماء سے مرکب مزجی ہے، یعنی وہ حیوان جو بر یعنی خشکی اور ماء، یعنی پانی دونوں میں رہتا ہے۔

متاخرین کے ہاں ''طوطمیہ'' کے طریقہ سے معروف ہے، پھر اس ''طوطمیہ'' کی تشریح میں ان کا اختلاف ہے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''طوطمیہ'' ان کے ہاں ایک شعار اور نشانی تھی جسے ہر قبیلہ اپنے ہاں مقدس درخت، پتھر، قبر یا ستارے وغیرہ کی نشانی کے طور پر اپناتا تھا۔

اور بعض کا خیال ہے کہ پہلے پہل عبادت ان خوابوں سے معلوم ہوئی جنھیں انسان دیکھتا تھا، جیسے وہ اپنے کسی فوت شدہ قریبی کو دیکھتا کہ وہ نیند میں اس کے پاس آتا ہے اور اس سے کہتا ہے: فلاں جگہ جاؤ وہاں تمھیں فلاں فلاں چیز ملے گی، وہ بیدار ہو کر اس جگہ جاتا اور وہی چیز پاتا جس کی اسے خواب میں خبر دی گئی ہوتی۔[1] جب ان لوگوں میں سے کسی کا اس طرح کا کوئی خواب سچا ہو جاتا تو وہ اس میت کی قبر کی تعظیم کرنے لگتا، اسی طرح اس کی جماعت بھی اس کی تعظیم کرنے لگتی، یہاں تک کہ وہ اس کی عبادت کرنے لگتے، اس سے اپنی حاجتیں مانگتے، عاجزی سے دعا کرتے، اس سے مدد طلب کرتے اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھ جاتے، یہ اور اس طرح کے دیگر اسباب کی بنا پر اس جیسی قبریں بہت زیادہ ہو گئیں حتی کہ قابل تعظیم قبور کی کثرت ہو گئی اور ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ ایک قبیلہ یا مختلف قبائل ان کی پوجا کرتے۔

اسی طرح وہ لوگ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ایک معین معبود کے پجاری قبائل دوسرے معبود والے قبائل سے لڑنے جھگڑنے لگے۔ ان میں سے کسی ایک کے غلبہ سے مقابلہ کی انتہا پر غالب قبیلے کا معبود مغلوب قبیلے کے معبود پر غالب سمجھا جاتا، اس طرح کچھ معبود بے عزت اور کچھ معزز ہونے لگے۔ یہاں تک کہ یہ چکر بعض ملکوں جیسے فارس میں دو معبودوں پر جا کر ختم ہوا۔ انھوں نے ایک کا نام معبود خیر اور دوسرے کا نام معبود شر رکھ لیا، اسی طرح بعض دوسرے ملکوں جیسے مصر فراعنہ میں یہ چکر ایک معبود کی عبادت پر ختم ہوا جس کا نام

[1] ایک حقیقت جسے نظر انداز کر دیا گیا: خواب میں انسان کچھ بھی دیکھ سکتا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، مگر کسی خاص جگہ سے خاص چیز ملنے کا سچا خواب یا تو الہام الٰہی ہو سکتا ہے یا جن وشیطان کی کارستانی ورنہ عقل انسانی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ معین چیز وہاں کیسے پائی گئی۔ پس ماننا پڑے گا کہ وہ شیطان کا گمراہ کن ہتھکنڈا تھا اور یہی بات دین اسلام کہتا ہے ورنہ عقل انسانی شیطان کے وجود اور اس کی کارستانیوں کے ادراک سے قاصر ہے۔

انھوں نے ''رع'' رکھا اور اس کے لیے سورج کی ٹکیہ بطور نشان مقرر کی۔ تطور وارتقاء کے مادی نظریہ کے مطابق اس تاریخ سے لوگوں نے توحید کو پہچانا اور اس طرح بت پرستی توحید سے مقدم ٹھہری۔

مذکورہ آراء میں معمولی غور وخوض ہی سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ ان نظریات کے قائلین خالق ارض وسماء کو نہیں مانتے اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ عقلی اور حسی معجزات سے لبریز آسمانی کتب نے یہ حقیقت خوب خوب ثابت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور اس کے اوپر پہاڑ رکھے، اس میں برکتیں رکھیں اور [صحیح] اندازے سے خوراکیں رکھیں، پھر آسمانوں کو پیدا کیا اور قریبی آسمان کو چراغوں سے مزین فرمایا، پھر معزز فرشتے پیدا فرمائے، پھر جنوں کو آگ کی لپٹ سے پیدا فرمایا اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کو مٹی سے، چنانچہ انہیں بہترین اور متوازن شکل پر اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ان کا قد پیدائش کے دن ساٹھ ہاتھ تھا، ان کے لیے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی پسلی سے ہماری اماں حواء کو پیدا فرمایا، پھر انہیں مع ان کی بیوی کے جنت میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''تم دونوں جہاں سے چاہو کھلا کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ۔''[1]

اور آدم علیہ السلام سے فرمایا:

''یقیناً تو اس جنت میں بھوکا رہے گا نہ ننگا، نہ پیاسا رہے گا اور نہ تجھے دھوپ ستائے گی، پس شیطان نے اس کی طرف یہ خیال ڈالا کہ اے آدم! کیا میں تجھے ہمیشگی کا درخت اور زائل نہ ہونے والی بادشاہی نہ بتلاؤں؟ پس [اس کے جھانسے میں آکر] ان دونوں نے اس سے پھل کھا لیا تو ان کے لیے ان کی شرمگاہیں ننگی ہو گئیں اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گئے [لیکن]

[1] البقرة 2 :35.

ان کے رب نے پھر انہیں چن لیا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت دی۔"①

[اور اس وقت] ان سے کہا: "تم دونوں اس وقت اس جگہ سے اتر جاؤ تم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو۔"②

ابوالبشر آدم علیہ السلام اکیلے اللہ پر ایمان لانے والے معزز نبی بن کر زمین پر آئے اس وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے اور توحید اسی کے لیے خالص کرنے کی دعوت دیتے۔

یہی توحید برحق اس امت تک اولاد آدم کا دین بنتی چلی آئی جس کی طرف نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے، پھر یہ امت توحید سے بت پرستی کی طرف مائل ہوگئی، بالتحقیق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ لوگ بتدریج بت پرستی کی طرف مائل ہوئے، چنانچہ ان کے پہلے لوگوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کچھ نیک افراد موجود تھے جب وہ فوت ہو گئے تو ان لوگوں نے ان کی قبروں کی تعظیم وتوقیر شروع کر دی اور شیطان نے ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ ان کی مورتیاں بنالیں تاکہ یہ بات ان کی یاد اور ان کی اقتداء میں زیادہ مؤثر ہو۔

پھر لمبے عرصے کے بعد شیطان نے ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ تمھارے اسلاف ان قبروں کو پوجتے تھے، پس وہ بھی ان پر جم کر بیٹھ گئے اور ان اصحاب القبور کی طرف عاجزی کرنے مدد مانگنے، تعاون حاصل کرنے اور اس چیز جس پر خالق ارض وسماء کے سوا کوئی قادر نہیں، کا سوال کرنے میں متوجہ ہونے لگے۔

وہ ان اصحاب القبور سے پوشیدہ خوف کھانے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی سی یا اس سے بھی زیادہ محبت کرنے لگے، انھوں نے ان مُردوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا تو [اس طرح] توحید سے بت پرستی کی طرف پہلا جھکاؤ پیدا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا وہ ان سے کہتے:

---

① طٰہٰ 20: 118 تا 122.

② طٰہٰ 20: 123.

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔''[1]

نبوتیں اور پیغمبریاں پے در پے چلتی آئیں، یہاں تک کہ سید المرسلین اور امام المتقین حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہو گئیں۔

[1] انبیاء و رسل کی دعوت کا یہ ایک بنیادی جملہ ہے جو ان کے تذکرہ میں کئی مقامات، مثلاً اعراف:59، ھود:61 اور مومنون:23 وغیرہ پر ملتا ہے۔

یہودیت

تعریف: ممکن ہے کہ یہودیت ھَود بمعنی توبہ، جیسے موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ''إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ'' یعنی ہم تیری طرف توبہ ورجوع کرتے ہیں، سے ماخوذ ہو۔ اور ممکن ہے اس کا اشتقاق تھوید سے ہو جس کا معنی نرمی کے ساتھ آواز کی خوش الحانی اور سُر لگانا ہے۔ اور علماء یہود جب عام لوگوں کو تورات سناتے تو ناک کی رگوں کو لمبا کرتے اور سخت گنگناہٹ کے ساتھ مخصوص صوتی نغمے [اچھی آوازیں] لاتے۔ جیسا کہ ان کے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَلْوُنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾[1]

''وہ کتاب کے پڑھنے میں اپنی زبانوں کا الٹ پھیر کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ [جو وہ پڑھ رہے ہیں] وہ کتاب میں سے ہے، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں۔''

اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ یہود یہودا کی طرف منسوب ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ہیں اور تمام بنی اسرائیل پر اس کا اطلاق تغلیباً ہو۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اشتقاق مهاوده سے ہو جس کا معنی وعدہ دینا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾[2]

''اور ہم نے موسیٰ کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور انہیں مزید دس راتوں سے پورا [چالیس] کر دیا۔''[3]

---

① آل عمران 3 : 78. ② الأعراف 7 : 142.

③ یہود کا مهاوده سے مشتق ہونا تو صحیح ہوسکتا ہے البتہ اس کے لیے مذکورہ آیت سے استدلال واستشہاد محل نظر ہے کیوں کہ اس مهاوده کا کوئی مادہ اس آیت میں ذکر نہیں ہوا آیت میں مواعدہ سے صیغہ ماضی مذکور ہے مهاوده سے نہیں۔

خود یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں، حالانکہ ہمیں کتاب وسنت میں یہود کا اطلاق مدح وتوصیف کے انداز میں نہیں ملتا جبکہ ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ بالتحدید کسی ایسی تاریخ کا تعین کرسکیں جب اس لفظ کا اطلاق اس گروہ پر کیا گیا لیکن ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ عہد موسوی میں یہ گروہ [اس نام سے] معروف نہ تھا بلکہ اس دور میں بنی اسرائیل کے نام سے مشہور تھا اسی طرح ان پر قوم موسیٰ کا اطلاق بھی ہوتا تھا۔

تورات

تعریف: لغۃً یہ ایک عبرانی لفظ ہے جس کا معنی شریعت یا وحی یا فرشتہ ہے۔ اور یہود کی اصطلاح میں یہ پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے، یہودی سمجھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور وہ یہ ہیں:

(1) سفر التکوین یا پیدائش (2) سفر الخروج (3) سفر اللاویین یا الاحبار

(4) سفر العدد یا گنتی (5) سفر التثنیہ یا استثنا۔

رہی تورات کے بارہ میں عیسائیوں کی اصطلاح تو اس کا اطلاق وہ ان تمام کتب پر کرتے ہیں جن کا نام وہ ''عہد قدیم کی کتب'' رکھتے ہیں اور وہ ہیں بنی اسرائیل کے انبیاء کی کتب، ان کے قاضیوں کی تاریخ اور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل ان کے بادشاہوں کی خبریں خواہ ان کے کاتب کا انہیں پتہ ہو یا نہ ہو، اور بعض اوقات یہ لوگ تورات کا اطلاق ان کتب کے مجموعہ اور انجیلوں پر بھی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے ہاں تورات وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں کے لیے ہدایت اور نور بنا کر اتارا اور تختیوں پر مکتوب کی صورت میں انہیں عطا کیا۔ اور بعض مسلمان تورات کا اطلاق عہدِ قدیم کی سب کتب پر کرتے ہیں اسی مفہوم کی مؤید وہ حدیث ہے جو بخاری میں ہے اور اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھوں نے تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اس طرح پائی:

''اے نبی ہم نے تمھیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور امیین کو بچانے والا بنا کر بھیجا تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمھارا نام متوکل رکھا ہے، نہ

وہ سخت خو ہے نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والا، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بلکہ معاف کر دے گا اور درگزر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اسے فوت نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے اور اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول نہ دے کہ وہ لا إله إلا الله پڑھ لیں۔''[1]

تو یہ وصف جو حضرت عبداللہ بن عمرو کو ملا موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ [موجودہ] تورات میں موجود نہیں بلکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کی نبوتوں میں ملتا ہے۔

تورات اور اس میں پیش آمدہ تحریف

مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ تورات میں تحریف وتبدیلی آچکی ہے لیکن بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تبدیلی تورات کی عبارت میں نہیں بلکہ وہ مقاصد ومعانی جو تورات میں آئے ہیں انہیں غلط معانی کی طرف پھیرنے اور جن مقاصد کے لیے وہ معانی وضع کیے گئے تھے انہیں اور مقاصد پر محمول کرنے کی تحریف ہوئی ہے۔

باقی علماء کا خیال ہے کہ تورات کے الفاظ ومعانی دونوں میں تحریف ہو چکی ہے اس بات کی تصریح قرآن میں بھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھارے لیے ایمان لائیں گے، حالانکہ ان میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا تھا، پھر اس کو سمجھنے بوجھنے کے بعد بدل دیتا حالانکہ وہ جانتے بھی تھے۔''[2]

نیز ارشاد ہوتا ہے:

''پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب کو خود اپنے ہاتھوں سے لکھ لیتے ہیں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿إنا أرسلنك شاهدا......﴾ (الفتح 48: 8)، حديث: 4838.

[2] البقرہ 2: 75.

پھر کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں سے ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلیں۔"①

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اور ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب پڑھتا ہے تاکہ تم اسے کتاب اللہ میں سے جانو، حالانکہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں سے ہے جبکہ یہ اللہ کے ہاں سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔"②

نیز انہی کے بارہ میں ارشاد ہے:

"وہ کلام کو اس کے مقامات سے پھیر دیتے ہیں۔"③

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات۔

[جبکہ] اس بات کے شواہد ان اسفار [خمسہ] سے بھی ملتے ہیں جن سے، ان کے بقول مجموعہ تورات مرکب ہے، یہ شواہد بے شمار ہیں اور یہودیا کوئی اور ان کا انکار نہیں کرسکتا۔

چنانچہ ان کتب میں سے بعض میں موسیٰ علیہ السلام کی موت کی کیفیت مذکور ہے اور کوئی عاقل یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ [کیفیت] خود موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہو۔

نیز سفر استثنا کی اکتیسویں اصحاح④ میں اس کی تصریح اس طرح مذکور ہے⑤ (24)⑥ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اس تورات کی کتابت ایک کتاب میں تا آخر مکمل کرلی (25) موسیٰ علیہ السلام نے عہد رب کے صندوق کو اٹھانے والے لاویین کو یہ کہتے ہوئے حکم دیا (20) تم یہ تورات لے لو اور اسے اپنے معبود رب تعالیٰ کے عہد کے صندوق کے پاس رکھ دو تاکہ یہ تم پر گواہ بن جائے

---

① البقرة 2 : 79.   ② آل عمران 3 : 78.   ③ المائدة 5 : 41.

④ أصحاح بفتح الهمزة وكسرها من التوراة والإنجيل دون السِّفرو فوق الفصل منهما(المنجد فی اللغة: 416.

⑤ عہدنامہ قدیم:198 باب استثنا۔

⑥ یہ آیتوں کے نمبر ہیں تورات اور انجیل میں آیات کے نمبر قرآن مجید کے برعکس آخر کی بجائے شروع آیت میں آتے ہیں۔

(27) کیونکہ میں تمھاری سرکشی اور اکڑی گردنوں سے واقف ہوں دیکھو! ابھی تو تم میرے جیتے جی رب سے مقابلہ کرنے لگے ہو میرے مرنے کے بعد بالاولی مقابلہ کرو گے (28) اپنی نسل کے شیوخ اور معززین کو میرے پاس جمع کرو تا کہ میں ان کے کانوں تک یہ بات پہنچا دوں اور زمین وآسمان کو ان پر گواہ بنا دوں (29) کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے بعد خراب ہو جاؤ گے اور اس راستے سے ہٹ جاؤ گے جس کی میں نے تمھیں وصیت کی (30) اور آخری دور میں تمھیں مصیبت پہنچے گی کیونکہ تم رب تعالیٰ کے سامنے برا کام کرو گے حتیٰ کہ اپنے ہاتھوں کے اعمال سے اسے ناراض کر لو گے (31) پس موسیٰ علیہ السلام نے ہر جماعتِ اسرائیل کے کانوں میں اس پورے ترانے کے کلمات بولے۔

اور یہاں سفر استثنا کی بتیسویں فصل میں اس ترانے کا ذکر ہے۔ پھر اس [تورات] نے کہا:

(44) پس موسیٰ علیہ السلام آئے اور انھوں نے اور یشوع بن نون نے اس ترانے کے تمام کلمات جماعت کے کانوں میں بول دیئے (45) اور جب موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کے خطاب سے فارغ ہوئے (46) تو ان سے کہا اپنے دلوں کو ان تمام کلمات کی طرف متوجہ کرو جن کے بارہ میں میں تم پر گواہ ہوں تا کہ تم اپنی اولاد کو ان کی وصیت کر سکو اور وہ اس تورات کے تمام کلمات پر عمل پیرا ہو سکیں (47) کیونکہ یہ تمھارے لیے کوئی بے سود بات نہیں بلکہ یہ تمھاری زندگی ہے اور انہی سے تم اپنی عمر کو اس زمین پر دراز کر لو گے جس کی طرف اردن پار کر کے پہنچنے والے ہو تا کہ تم اس کے مالک بن جاؤ (48) اور رب تعالیٰ نے اسی دن موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہتے ہوئے کلام فرمائی (49) عباریم پہاڑ کی طرف چڑھو یہ وہ جبل نبو ہے جو ارض موآب میں ہے جو اریحا کے سامنے ہے اور کنعان کی اس زمین کو دیکھو جو میں بنی اسرائیل کے ملک میں دوں گا (50) اور اس پہاڑ میں فوت ہو جا جس کی طرف تو چڑھے گا اور اپنی قوم سے مل جا جیسا کہ تیرے بھائی ہارون جبل ھود میں فوت ہو گئے اور اپنی قوم سے مل گئے۔[1] پھر چونتیسویں اصحاح میں وہ تورات کہتی ہے:

[1] کتاب مقدس: 200/2.

(5) پھر وہاں رب تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ارض موآب میں رب کے بندے موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا (6) اور اس نے اسے ارض موآب میں بیت فغور کے بالمقابل الجواء مقام پر دفن کیا اور آج تک کسی انسان کو ان کی قبر معلوم نہ ہوئی۔ [1]

ان عبارات سے بلاشبہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سفر موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا لکھا ہوا ہے کیونکہ سفر استثنا کے اکتیسویں اصحاح کی چونتیسویں آیت کتابت تورات کی تکمیل پر نص ہے، تو پھر اس کے بعد والی آیات تورات سے نہیں ہیں۔ حالانکہ یہودی اس بات پر متفق ہیں کہ وہ تورات میں سے ہیں۔

جبکہ سفر التواریخ کے چونتیسویں اصحاح میں مذکور ہے:

''حلقیا کاہن کو سفر شریعۂ رب ملا تو اس نے یہ منشی سافن کے سپرد کر دیا، پھر سافن اسے بادشاہ کے پاس لے آیا۔'' [2]

اس سے معلوم ہوا کہ تورات گم ہو گئی تھی اور وہ حلقیا کو مل گئی تو اس نے منشی سافن کے سپرد کر دی، پھر تورات کی گم شدگی تمام بنی اسرائیل کے ہاں متفق علیہ مسئلہ ہے، چنانچہ سب نے اقرار کیا ہے کہ جب بخت نصر نے ہیکل [سلیمانی] کو تباہ کیا تو یہ تابوت کے ہمراہ مفقود ہو گئی تھی اور بعض واقعات میں ہے کہ اس نے تورات کے نسخے جلا دیئے تھے۔ جبکہ سفر عزرا کی اسی ساتویں فصل میں مذکور ہے ''اس نے یہ تورات ان کے لیے فارسی بادشاہ ارتحششتا کے حکم سے لکھی جس نے بنی اسرائیل کو یروشلم واپس ہونے کی اجازت دی اور اس بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی اور ان کی [اکٹھی] شریعت قائم کی جائے، پھر اسی سفر میں مذکور ہے:

''عزرا نے اپنے دل کو رب کی شریعت کا طالب بننے، اس پر عمل کرنے اور بنی اسرائیل کو آئین واحکام کی تعلیم دینے کے لیے تیار کر لیا۔'' [3]

اس سے واضح ہو گیا کہ جو تورات اہل کتاب کے پاس ہے وہ فارسی بادشاہ ارتحششتا کے

---

[1] کتاب مقدس: 202/2. [2] کتاب مقدس: 458/2. [3] عہد نامہ قدیم: 467/2.

دور میں قید کے بعد لکھی گئی، اسی لیے اس میں بہت سے بابلی الفاظ آ گئے ہیں۔

ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ پوری تورات محرف نہیں ہوئی صرف اس کے بعض الفاظ میں تحریف ہوئی ہے اور وہ بعض احکام جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جاری کیے تھے نہیں بدلے گئے، جیسے زانیوں کو سنگسار کرنا اور [ظالموں سے] قصاص لینا اگرچہ یہودی ان احکامات پر عمل کرنے سے منحرف ہو گئے تھے، چنانچہ انھوں نے زانی کے سنگسار کرنے کو اس کا منہ کالا کرنے اور اسے بدنام کرنے سے بدل دیا تھا، ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی کچھ صفات بھی تورات میں باقی تھیں اگرچہ یہودیوں نے ہر اس صفت کو چھپانے کی کوشش کی جو آپ کا پتہ بتاتی۔ اسی معنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے تورات پر عمل کرنے اور اسے تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ یہ اس امر کے موافق ہے جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کا یہ دعویٰ کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ان کا قول ''غیر یہودیوں [پر ظلم] کے بارہ میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں'' ایسے ہی وہ بعض صفات جن سے انھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو موصوف کیا ہے جیسے ان کا یعقوب علیہ السلام کو اس بات سے موصوف کرنا کہ انھوں نے رب تعالیٰ سے کشتی کی۔ اور لوط علیہ السلام نے جبل صوغر کی طرف نجات پا جانے کے بعد شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا اور جیسے ان کا داوٗد علیہ السلام کو اس بات سے موصوف کرنا کہ وہ رب تعالیٰ کی نگاہ میں برے ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب تحریف ہی کی کارستانیاں ہیں۔ واللہ أعلم.

تلمود

تعریف: عربی میں اس کا معنی نظام وقانون ہے۔ اور [اصطلاحاً] یہ یہودیوں کی کتاب فقہ ہے اور ان تعالیم کے مجموعہ سے مرکب ہے جنھیں علماء یہود نے تورات کی شرح اور اس کے اصولوں سے استنباط کے طور پر مقرر کیا۔ یہ [تلمود] بعض اوقات تورات کی بعض نصوص کے مخالف ہوتا ہے، اور یہ گیارہویں صدی عیسوی ''م''[1] سے دو کتابوں میں منقسم ہے۔

1۔ تلمود یروشلم 2۔ تلمود بابل

لیکن یہودیوں کی جماعت قرائین تلمود کے احکام کے تابع نہیں ہے وہ دعوٰی کرتے ہیں کہ تورات کی شرح میں وہ آزاد سوچ والے ہیں۔

تلمود کی بنیادی تعلیمات

تلمود کہتا ہے کہ ''یہودی اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اصل سے اس طرح ہیں جیسے بچہ اپنے باپ کی اصل سے ہوتا ہے، اور جو یہودیوں کو تھپڑ مارتا ہے تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو [نعوذ باللہ] اللہ تعالیٰ کو تھپڑ مارتا ہے، جب امی یہودی کو ضرب لگائے تو اس کی جزا موت ہے۔'' (امی کا اطلاق یہودیوں کے ہاں ہر اس انسان پر ہوتا ہے جو یہودی

---

[1] عربی میں سن کے بعد ''م'' میلادی کی طرف اشارہ ہوتا ہے چونکہ سن عیسوی کی ابتدا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ہوتی ہے، اس لیے عربی اسے سن میلادی کہتے ہیں اور اشارتاً ''م'' لکھتے ہیں جبکہ اردو میں اس کے لیے ''ع'' کا سرا یعنی ''ء'' لکھا جاتا ہے۔ جیسے: 2006 م اور 2006 ء۔ بعض اوقات سن کے بعد ''ق۔م'' لکھا ہوتا ہے، مثلاً: 150 ق۔م، یہ قبل المیلاد کا مخفف ہے، یعنی میلاد عیسیٰ علیہ السلام سے اتنے سال پہلے خیال رہے کہ اس صورت میں گنتی الٹ معلوم ہوتی ہے، مثلاً: 90 ق۔م، 80 ق۔م سے پہلے آتا ہے۔

نہیں تو ان کے ہاں لوگوں کی دو قسمیں ہیں یہودی اور امی۔)

''اگر یہود نہ ہوتے تو زمین سے برکت اٹھ جاتی سورج چھپ جاتا اور بارش نہ ہوتی، یہودی امیوں سے ایسے ہی افضل و برتر ہیں جیسے انسان حیوانوں سے، تمام امی کتے اور خنزیر ہیں اور ان کے گھر نجس ہونے میں حیوانوں کے باڑوں کی طرح ہیں۔

یہودی کے لیے امی پر نرمی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ اس کا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے [جبکہ] تقیہ کرنا اور اس کی اذیت سے بچنے کی خاطر بوقت ضرورت چاپلوسی جائز ہے، ہر وہ نیکی جو یہودی امی سے کرتا ہے وہ بڑی غلطی ہے اور جو بدسلوکی وہ اس سے کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے جس پر وہ اسے جزا دے گا۔

معمولی سودی لین دین یہودی کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ اسے موسیٰ اور شموئیل نے مشروع قرار دیا (تلمود وضع کرنے والوں کی رائے کے مطابق)۔ کھلم کھلا سودی لین دین غیر یہودی کے ساتھ جائز ہے، زمین کی ہر چیز یہودیوں کی ملک ہے۔ اور جو کچھ امیوں کے پاس ہے وہ یہود سے چھینا ہوا ہے [اس لیے] ہر ممکن طریقہ سے اسے واپس لینا یہود کی ذمہ داری ہے۔

تلمود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو انہیں امیوں کی غلامی سے نجات دلائے گا بشرطیکہ وہ داود علیہ السلام کی نسل سے ایسا بادشاہ ہو جو اسرائیل کو حکومت لوٹا دے اور سب ملک یہودیوں کے تابع ہو جائیں کیونکہ پورے جہان کی قوموں پر بادشاہی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یہودیوں کے لیے مختص ہے۔

یہودی کا اپنے بھائی کی چوری کرنا حرام ہے لیکن امی کی چوری نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کیونکہ جہاں کی سب دولتیں یہود کے لیے پیدا کی گئی ہیں یہ انہی کا حق ہے اور ہر ممکن طریقہ سے ان پر قبضہ جمانا ان کی ذمہ داری ہے۔''

یہ ہیں تلمود کی بنیادی تعلیمات جن کی بنا پر یہودی اعتقاد رکھتے ہیں:

''وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی

عبادت کی نہ کسی کو اجازت دیتا ہے اور نہ اسے قبول کرتا ہے مگر جبکہ وہ عابد یہودی ہو ان کے نفس اللہ تعالیٰ کے نفس سے پیدا کردہ ہیں اور ان کا عنصر اسی کے عنصر سے ہے پس وہی جوہر اور اصل کے لحاظ سے اس کے پاک بیٹے ہیں۔"

وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانی صورت اصلاً اور تعظیماً عطا کی ہے جبکہ ان کے غیر [امیین] کو شیطانی چیز یا ناپاک حیوانی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور انہیں انسانی صورت یہودیوں کی نقل کے طور پر عطا کی ہے تاکہ دونوں نسلوں کے درمیان، یہود کی تعظیم کے لیے، باہم لین دین آسان ہو جائے کیونکہ اس ظاہری تشابہ کے بغیر عنصرین کے اختلاف کے باوجود پسندیدہ سرداروں اور حقیر غلاموں کے مابین افہام و تفہیم ممکن نہیں۔

پس انسانیت اور طہارت اللہ تعالیٰ کے عنصر سے حاصل کردہ ان یہود کے عنصر کے مطابق انہی میں محدود ہیں۔ رہے ان کے غیر تو وہ سب حیوانات اور پلید گیاں ہیں اگرچہ وہ شکل انسانی میں ہوں۔

محرّف تورات میں ذات الٰہی

قطعی عقلی دلائل اور منقولہ دینی ثبوت اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے لیکن یہودی اپنی محرف تورات میں اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے صریح تشبیہ دیتے ہیں، اس بارہ میں ان کے ہاتھوں میں موجود تورات سفر پیدائش اصحاح اول میں کہتی ہے:

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔"[1]

یہودی سمجھتے ہیں کہ اللہ (بلند شان ہے اس بکواس سے جو وہ بکتے ہیں) تھک گیا اور آرام کا محتاج ہوا جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی لیے اس نے ساتویں دن آرام کیا اور وہ ہفتے کا دن تھا، اس بارہ میں تورات سفر پیدائش کے اصحاح ثانی میں کہتی ہے:

"پس آسمانوں، زمین اور ان کے پورے لشکروں کو مکمل کیا۔"

---

[1] کتاب مقدس پرانا عہد نامہ باب پیدائش اصحاح 1: 6,5.

''اور اللہ تعالیٰ ساتویں دن اس کام سے فارغ ہوا جو اس نے کیا تھا پس ساتویں دن اپنے اس تمام کام سے جو اس نے کیا آرام کیا''

''اللہ تعالیٰ نے ساتویں دن میں برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا کیونکہ اس دن اس نے اپنے تمام کام سے جو اس نے بطور خالق کیا تھا آرام کیا۔''①

حالانکہ دلائل عقلیہ ونقلیہ قطعیہ اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ تکان وتھکاوٹ سے مبرا و پاک ہے، اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اس فاسد یہودی عقیدے کا قرآن نے رد کیا ہے جب باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان موجود سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔''②

جبکہ کلمہ ''کن'' سے [بھی ممکن] تھا [کیونکہ] ''جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو اس کا حکم صرف یہ ہے کہ وہ اس سے کہے: ہو جا پس وہ ہو جائے۔''③

اسی طرح یہودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو غم اور کسی چیز کے رہ جانے پر پشیمانی لاحق ہوتی ہے اس بارہ میں ان کے ہاں موجود تورات کہتی ہے جیسا کہ سفرِ پیدائش کی چھٹی فصل میں آیا ہے نفس عبارت یہ ہے:

''(5) اور رب تعالیٰ نے دیکھا کہ زمین پر انسان کا شر بڑھ گیا ہے اور اس کے دل کی سوچوں کا ہر تصور سدا برا ہی ہوتا ہے۔ (6) پس رب تعالیٰ کو ملال لاحق ہوا کہ اس نے زمین میں انسان کو پیدا کر دیا اور اس نے اس پر افسوس کیا۔''④

یہ عقیدہ اپنی قباحت وشناعت کے باوصف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات کے وجود

---

① کتاب مقدس پرانا عہد نامہ، باب پیدائش اصحاح: 1/2-5.

② ق 50 : 38.

③ یٰسٓ 36 821 .

④ پرانا عہد نامہ :9.

سے قبل اللہ تعالیٰ کا علم ان کا احاطہ نہیں کرتا اسی طرح یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر بداءت۔ نیا خیال آجانے، کے قول تک پہنچاتا ہے۔''وہ تو بلند ہے، بہت بلند اس سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''[1]

تحریف شدہ تورات میں نبوتیں

یہودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں اور غلطیوں سے معصوم نہیں بلکہ انھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے منکرات۔ جیسے زنا، شراب نوشی اور عورتوں کو ان کے خاوندوں سے چھین لینے کے ارتکاب کو ممکن قرار دیا، نیز یہ بات بھی ممکن قرار دی کہ وہ رب تعالیٰ کی نگاہ میں قبیح بن جائیں۔

اس بارہ میں یہودی اپنے ہاں موجود تورات اور اس سے ملحق نبوات پر اعتماد کرتے ہیں، چنانچہ کتاب پیدائش کے نویں اصحاح میں یہ عبارت آئی ہے:

(20) نوح علیہ السلام کاشتکاری کرنے لگے اور انھوں نے انگور کی بیل بوئی۔ (21) انھوں نے شراب پی لی تو انہیں نشہ ہوگیا اور وہ اپنے خیمے کے اندر ننگے ہوگئے۔ (22) ابو کنعان حام نے اپنے باپ کی شرم گاہ دیکھ لی اور باہر اپنے دونوں بھائیوں کو بتلایا (23) پس سام اور یافث نے چادر لی اور اسے اپنے کندھوں پر رکھ کر پیچھے کی طرف چلے اور انھوں نے اپنے باپ کی شرمگاہ نہ دیکھی۔ (24) پھر جب نوح علیہ السلام نشہ سے ہوش میں آئے اور انہیں اس سلوک کا علم ہوا جو ان کے چھوٹے بیٹے نے ان سے کیا۔ (25) تو انھوں نے کہا: کنعان ملعون ہے اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔[2]

ایسے ہی اسی کتاب پیدائش کی انیسویں فصل میں یہ عبارت آئی ہے:

(30) لوط علیہ السلام [قصبۂ] صوغر سے نکل کر اوپر چڑھ گئے اور پہاڑ میں جا بسے ان کی دو بیٹیاں بھی ان کے ہمراہ تھیں کیونکہ وہ صوغر میں رہتے ہوئے ڈرے، اس لیے اپنی دونوں بیٹیوں کے ہمراہ

---

[1] بنی اسرائیل 17 : 3.

[2] کتاب مقدس پرانا عہد نامہ: 10/2.

غار میں سکونت اختیار کر لی۔ (31) بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کہا: ہمارے والد بوڑھے ہو گئے ہیں اور زمین میں کوئی آدمی نہیں جو باقی اہل زمین کی طرح ہمارے پاس آئے۔ (32) آؤ ہم ابا جان کو شراب پلائیں اور ان کے ساتھ لیٹ جائیں اور ابا جان کی نسل کو زندہ رکھیں (33) پھر انھوں نے اس رات اپنے ابا کو شراب پلا دی اور بڑی لڑکی [اندر] داخل ہوئی اور ابا کے ساتھ لیٹ گئی اس کو اس کے لیٹنے اور اٹھ جانے کا علم نہ ہوا (34) اگلے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ بڑی نے چھوٹی لڑکی سے کہا: میں رات ابا جان کے ساتھ لیٹ گئی تھی آج رات بھی ہم اسے شراب پلائیں گی، پھر تو اس کے پاس جانا اور ساتھ لیٹ جانا (35) پس اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو شراب پلا دی، چھوٹی اٹھی اور [اس کے ساتھ] لیٹ گئی اسے اس کے لیٹنے یا اٹھنے کا علم بھی نہ ہوا (36) لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں باپ سے حاملہ ہو گئیں۔''[1]

ان کے ہاں موجود سفر سموائیل ثانی کے گیارہویں اصحاح میں آیا ہے:

(2) شام کے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ داؤد علیہ السلام اپنی چار پائی سے اٹھے اور بادشاہ کے گھر کی چھت پر ٹہلنے لگے۔ آپ نے چھت کے اوپر سے ایک عورت کو نہاتے ہوئے دیکھا وہ بہت خوبصورت تھی (3) تب داود علیہ السلام نے پیغام بھیجا تو [حاضرین میں سے] ایک نے جواب دیا کیا یہ الیعام کی بیٹی بتشبع نہیں ہے جو اوریا حتی کی بیوی ہے (4) داود علیہ السلام نے ایلچی بھیجے اور اسے بلا لیا، پھر وہ آپ کے پاس آئی اور آپ اس کے ہمراہ لیٹ گئے اور وہ اپنے حیض سے پاک تھی پھر وہ اپنے گھر لوٹ گئی (5) اور وہ عورت حاملہ ہو گئی، پھر اس نے پیغام بھیجا اور کہا: میں حاملہ ہوں۔[2]

سفر سموئیل ثانی اس عورت کے خاوند اوریا سے داود علیہ السلام کے جان چھڑانے کی کوشش کرنے اور اسے قتل کی خاطر جنگ میں بھیجنے کے قصہ کو بیان کرنے کے بعد کہتا ہے:

(26) جب اوریا کی بیوی نے سنا کہ اس کا خاوند مر گیا ہے تو اس نے خاوند پر نوحہ خوانی کی (27) اور جب نوحہ کا وقت گزر گیا تو حضرت داود علیہ السلام نے پیغام بھیجا اور اسے اپنے گھر میں

---

[1] پرانا عہد نامہ: 19/1 [2] پرانا عہد نامہ: 302/1.

شامل کر لیا، وہ آپ کی بیوی بن گئی اور اس نے آپ کے لیے ایک بیٹا جنا، رہا وہ کام جو داود علیہ السلام نے کیا تھا تو وہ رب تعالیٰ کی نگاہوں میں برا ٹھہرا۔''[1]

پھر یہی سفر رب تعالیٰ کے داود علیہ السلام کو ڈانٹنے اور اس لڑکے کو فوت کر لینے جسے بتشبع نے جنم دیا تھا، پھر داود علیہ السلام کی توبہ اور آپ کے روزوں پھر آپ کے اس اوریا کی بیوی کے ساتھ جا لیٹنے، پھر اس کے حاملہ ہونے اور ایک بچہ جس کا نام سلیمان تھا، کے پیدا ہونے کو لگاتار بیان کرتا ہے۔

ان نصوص سے ہم یہودیوں کے ذہنوں میں انبیاء بنی اسرائیل کے مقام ومرتبہ کی مقدار معلوم کر لیتے ہیں۔

[1] پرانا عہد نامہ:304.

نصرانیت/عیسائیت

نصرانیت اصل میں نصرانہ کی طرف نسبت ہے اور یہ علاقہ گلیل میں مسیح علیہ السلام کی بستی ہے۔اس کا نام ناصریہ اور نصوریہ بھی ہے نصرانیہ اور نصرانہ نصاریٰ کا واحد ہے۔

رہی اصطلاح میں تو نصرانیت نصاریٰ کا دین ہے اور وہ انجیل سے منسوب ہیں، میں بالتحدید نہیں جانتا کہ کب سے نصرانیت اہل انجیل کے دین کا خاص نام بن گئی۔ یہ لفظ دوسری صدی عیسوی کے آغاز میں ملتا ہے جب ''بلین'' ۔ جو ایشیا میں حکمران تھا۔ نے 106ء میں موجود بادشاہ ''تراجان'' کی طرف ایک خط لکھا جس میں وہ عیسائیوں کو اپنی سزا دینے کے طریقہ کی وضاحت کرتا ہے، چنانچہ اس نے لکھا:

''جن پر عیسائیت کا الزام لگ جائے تو میں درج ذیل طریقہ سے ان پر تجربہ کرتا ہوں، یعنی جب وہ عیسائی ہوں تو میں ان سے سوال کرتا ہوں، پھر اگر وہ اقرار کرلیں تو انہیں قتل کی دھمکی دیتے ہوئے یہی سوال دوبارہ سہ بارہ دہراتا ہوں جب وہ [عیسائیت] پر مصر رہیں تو میں ان پر قتل کی سزا نافذ کردیتا ہوں۔''

پھر بلین کہتا ہے: ''میں نے بہت سے لوگوں پر ایسی کتب کا الزام لگایا ہے جن پر ان کے مؤلف کا نام درج نہیں تو انھوں نے انکار کیا کہ وہ نصاریٰ ہوں۔''

اور قرآن مجید سے یہ بات سمجھ آرہی ہے کہ انھوں نے یہ نام ازخود اپنے لیے تجویز کرلیا تھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ﴾ ''جن لوگوں نے کہا: ہم نصاری ہیں۔''[1]

[1] المائدۃ 5: 17.

رہی مسیحیت تو اس کا اطلاق بھی عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہی ہوتا ہے لیکن اس دور میں ان پر اس کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ یہ لوگ حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہیں کرتے اس لیے کتاب اللہ اور سنت رسول میں انہیں مسیحیین کے نام سے موسوم کرنا نہیں ملتا جبکہ قرآن ان کے بارہ میں کہتا ہے کہ وہ نصاریٰ ہیں جس طرح کہ وہ انہیں اہل کتاب اور اہل انجیل کے نام سے بھی موسوم کرتا ہے۔

عیسائیت اور اس میں پیش آمدہ تحریف

صحیح بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم بنت عمران سے باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کا قصہ قرآن عظیم میں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا......﴾

''اے پیغمبر کتاب [قرآن] میں مریم کا تذکرہ کیجیے جب وہ اپنے اہل سے جدا ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی ○ اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تو ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا ○ اس نے [دیکھتے ہی] کہا یقیناً میں تجھ سے اللہ کے ذریعے سے پناہ مانگتی ہوں اگر تو کوئی نیک ذات ہے، اس نے کہا میں تو تیرے پروردگار کا ایلچی ہوں [آیا ہوں] تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں ○ وہ بولی میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا، حالانکہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ہی میں زانیہ ہوں ○ اس نے کہا یہ ایسے ہی ہو کر رہے گا تیرے پروردگار کا فرمان ہے: یہ میرے لیے بہت آسان ہے اور یہ ہم اس لیے کریں گے تا کہ اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے رحمت بھی اور یہ کام ہو کر رہے گا۔''

مریم کو اس کا حمل ٹھہر گیا اور وہ اسے لیے ایک دور مقام پر چلی گئی، پھر دردِ زہ اس کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور کسی کو یاد نہ ہوتی، پھر اس [بچے] نے [کھجور کے] نیچے سے آواز دی غم نہ کھا تحقیق اللہ تعالیٰ نے

تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ٥ اور کھجور کے تنے کو ہلا تو وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گرائے گا، پس تو کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر تو کوئی انسان دیکھے تو اس سے کہنا میں نے رحمٰن کے لیے چپ کے روزے کی نذر مان رکھی ہے اس لیے میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی ٥ پھر وہ اسے اٹھائے اپنی قوم کے پاس آ گئی تو انھوں نے کہا [مریم!] تو نے تو یہ برا کام کر لیا ٥ ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی تو اس نے اس کی طرف اشارہ کر دیا وہ بولے ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارے میں ایک بچہ ہے؟ ٥ وہ بول اٹھا: یقین رکھو میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنا کر بھیجا ہے ٥ اور میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا اور مجھے نماز روزہ کی تاحیات وصیت کی اور مجھے اپنی والدہ سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے مجھے سخت گیر اور بدبخت نہیں بنایا ٥ سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن فوت ہوں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا ٥ ''[1]

اسی طرح تواتر سے اس بارہ میں احادیث ثابت ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر سے تجاوز کر جانے کے بعد مبعوث ہوئے، قرآن کریم عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور ہم اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے [وہ دعوت دے گا کہ] دیکھو میں تمھارے رب کے پاس سے یہ نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمھارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں اور تمھیں ان چیزوں کے بارہ میں بتلاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو تمھارے لیے اس میں ایک نشانی ہے اگر تم مومن ہو ٥

اور میں اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے موجود ہے اور [میری آمد

---

[1] سورۃ مریم 16 تا 33.

اس لیے بھی ہے] تاکہ میں وہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں حلال کر دوں اور میں تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ یقیناً اللہ تعالیٰ میرا اور تمھارا رب ہے، لہٰذا تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے○ پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے کفر کو محسوس کیا تو فرمایا: کون اللہ کی راہ میں میرے مددگار بنتے ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ [کے دین] کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں○ ہمارے پروردگار! ہم اس [دین] پر ایمان لے آئے جو تو نے اتارا اور ہم نے رسول کی فرمانبرداری کی پس تو ہمیں گواہی دینے والوں میں سے لکھ دے، انھوں نے تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں○ [وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہی تھی کہ] جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ اور تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے انکار کیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے تیری پیروی کی ان لوگوں پر تا قیامت بالا دست رکھوں گا جنھوں نے تیرا انکار کیا، پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہو گا اور میں تمھارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے○

پھر رہے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا تو میں انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور انہیں کوئی مددگار نہیں ملے گا○ اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے تو اللہ انہیں ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا○ یہ آیات و حکمت سے لبریز تذکرے ہیں جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں○ اللہ تعالیٰ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا اور اس سے کہا تو بن جا پس وہ وجود میں آ گیا یہ حقیقت تمھارے رب کی طرف سے ہے اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں○ یہ علم آ جانے کے بعد اب جو کوئی آپ سے جھگڑا کرے تو اس سے کہہ

دیجیے: آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو لے آئیں اور خود بھی آجائیں اور تم بھی اپنے بیٹوں اور عورتوں کو لے آؤ اور خود بھی آجاؤ پھر ہم عاجزی سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو ○ بے شک یہ صحیح واقعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی غالب اور حکمت والا ہے ○[1]

تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ یہودیوں اور رومیوں [کے حکومتی کارندوں] نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوری طرح جنگ کی اور ان کے قتل کی کوشش بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اعداء میں سے ایک پر ان کی مشابہت ڈال دی انھوں نے اسے قتل کر دیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مسیح ہے اسے سولی پر چڑھا دیا، اس بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ الآیات

یعنی ''ان کے کفر اور مریم پر ایک عظیم بہتان باندھنے کی بنا پر [ہم نے ان سے جو سلوک کرنا تھا کیا] ○ اور [ایسے ہی] ان کے یہ کہنے کی بنا پر کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں نہ انھوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور وہ لوگ جنھوں نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے وہ بھی شک میں ہیں، انہیں اس بارہ میں کوئی علم نہیں صرف گمان کی پیروی ہے اور انھوں نے بالیقین اسے قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ زبردست طاقت رکھنے والا اور دانا ہے ○ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے اور روز قیامت وہ [عیسیٰ علیہ السلام] ان پر گواہی دیں گے ○''[2]

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد ان کے پیروکاروں پر بڑا ظلم ہوا، چنانچہ وہ جلاوطن ہوئے اور عذاب میں مبتلا کیے گئے خوب قتل کیے گئے اور سولیوں پر لٹکائے گئے حتی کہ ان مظالم کی

---

[1] آل عمران 3: 49 تا 63۔ [2] نساء 4: 156-159۔

وجہ سے جو حکام روم اوران کے کارندے اورایسے ہی یہودی ان پر ڈھاتے تھے قریب تھا کہ زمین سے مسیحیت کے نشانات ہی مٹ جائیں ان پر سخت مصیبت شاہ نیرون (65ء)، پھر شہنشاہ تراجان (106ء) پھر شہنشاہ دیسیوس (251ء) اور پھر شاہ وقلد یانوس (284ء) کے دور میں آئی۔

رہا نیرون تو اس نے ان پر الزام لگایا کہ انھوں نے ہی روم شہر کو جلایا، پھر اس نے قسم قسم کی سزائیں دیں، چنانچہ وہ کارندوں کو حکم کرتا تھا کہ وہ عیسائیوں کو چمڑوں میں بند کر دیں، پھر وہ انہیں کتوں کے سامنے پھینک دیتے تو وہ انہیں نوچتے، اسی طرح وہ بعض عیسائیوں کو تارکول میں ڈبوئے ہوئے کپڑے پہنا دیتے، پھر انہیں چراغ بنا کر ان سے روشنی حاصل کرتے۔

ایسے ہی اسکندریہ کے بطریک[1] [پادری سردار] نے ان بعض سزاؤں کو جن کا اس نے دیسیوس کے ہاں مشاہدہ کیا تھا بیان کیا، وہ کہتا ہے:

''سب پر خوف طاری ہو گیا اور کچھ اپنے دین کو بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے، ہر عیسائی، حکومت کی ملازمت سے برطرف کر دیا گیا، خواہ وہ کتنا ہی ذہین وفطین ہو اور ہر وہ عیسائی جس کے بارہ میں اطلاع ملتی اسے جلدی سے لایا جاتا اور بتوں کی قربان گاہ کی طرف بڑھایا جاتا اس سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ بت کے لیے کوئی قربانی پیش کرے اور جو آدمی قربانی پیش کرنے سے انکار کرتا تو اس کی سزا یہ ہوتی کہ ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے سے اسے آمادہ کرنے کی کوشش کے بعد وہ خود قربانی کا بکرا بن جاتا۔''

پھر پادری سردار کہتا ہے:

---

[1] عیسائیوں کے علماء کے کچھ درجے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

- بطریرك ج بطارکه — رئيس رؤساء الأساقفة على أقطار معينة.
- مطران ج مطارين — فوق الأسقف و دون البطريريك
- اسقف ج اساقفه — فوق القسيس و دون المطران
- قسيس ج قسّوس — فوق الشمّاس ودون الأسقف
- شمّاس ج شمامسه — دون القِسيس.(المنجد فى اللغة)

''اور بعض کمزور ایمان ایسے بھی تھے جنھوں نے آپ کی مسیحیت کا انکار کر دیا اور کچھ دیگر لوگوں نے بھی ان کی اقتدا کی اور ان میں سے بعض نے فرار کے دامن کو تھام لیا یا وہ جیلوں کی تاریکیوں میں ٹھونس دیے گئے۔''

رہا دقلد یانوس تو وہ مصر آیا اور وہاں آزمائش و مصیبت کا بازار گرم کیا چرچوں کو منہدم کرنے، کتابوں کو جلا ڈالنے، پادریوں کو گرفتار کرنے اور انہیں جیلوں کی تاریکیوں میں ٹھونسنے کا حکم جاری کیا، عیسائیوں کو اپنے دین کے انکار پر مجبور کیا اور ان میں سے تقریباً تین لاکھ کو قتل کر دیا۔

یہودی شاؤل اور اس کی تحریفِ مسیحیت

شاؤل عیسائیوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کے شوقین یہودیوں میں سے ایک ہے۔ علماء عیسائیت اس بات پر متفق ہیں کہ وہ عیسائیوں کے قتل پر خوش تھا، وہ چرچ پر حملہ کرتا، گھروں میں داخل ہوتا، مردوں اور عورتوں کو کھینچ کر جیل والوں کے سپرد کرتا، وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ وہ کاہنوں کے یہودی رئیس کے سامنے پیش ہوا اور اس سے دمشق کی جماعتوں کے نام خطوط کا مطالبہ کیا کہ جب وہ راستے میں مردوں یا عورتوں کو پائے تو انہیں رسیوں میں جکڑ کر یروشلم لے جائے۔ یہ 38ء کی بات ہے۔

شاؤل اپنے بارہ میں کہتا ہے

''تم نے ابتدائی زمانہ میں ہی میری سیرت کے بارہ میں سن لیا تھا کہ یقیناً میں اللہ کے چرچ پر بہت ظلم کرتا تھا اور دین یہود میں اپنے ہم جنس، ہمسروں سے ایک قدم آگے تھا کیونکہ میں اپنے آباء واجداد کی تقلید کے بارہ میں بہت غیرت رکھتا تھا۔

شاؤل عیسائیت کی تحریف کی خاطر اس میں شامل ہوتا ہے

38ء میں عیسائیوں کو عذاب دینے میں شریک ہونے کے لیے شاؤل دمشق کے راستے میں تھا

کہ اچانک اس نے خیال کیا کہ اس نے مسیح علیہ السلام کو دیکھ لیا ہے وہ ان پر ایمان لے آیا ہے اور پولس نام اختیار کر لیا ہے۔ لوقا انجیل والا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے اعمال الرسل میں کہتا ہے:

''اور جب پولس دمشق کے قریب تھا تو اچانک اس کے اردگرد آسمانوں سے ایک نور چمکا وہ زمین پر گر گیا اور اس نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی: شاؤل شاؤل! تو کیوں مجھے تکلیف پہنچاتا ہے تو اس نے کہا محترم آپ کون ہیں؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا میں یسوع ہوں جسے تو تنگ کرتا ہے[1] پس اس نے کانپتے ہوئے حیرانی سے پوچھا: اے رب کون سا کام تجھے پسند ہے کہ میں وہ کروں، پس اس نے کہا اٹھ کھڑا ہو اور مسیحیت کا وعظ کر۔ پھر لوقا کہتا ہے اسی وقت وہ مجمعوں اور محفلوں میں مسیح کا وعظ کرنے لگا کہ یہی اللہ کا بیٹا ہے، بیٹا ہونے کی یہ سوچ اس سے قبل عیسائیوں میں مشہور نہیں تھی اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین بھی زندہ تھے، پس جب پولس (شاؤل) اس دعوت کے ساتھ ان کے پاس آیا تو انھوں نے اسے نہ مانا اور اس قصہ کے بارہ میں شبہ کیا جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا اور وہ نہیں بھولے تھے کہ یہودیوں میں یہ ان کا بڑا دشمن تھا لیکن برنابا صاحب انجیل نے اس کا دفاع کیا اور اسے اچھے انداز میں ان کے سامنے پیش کیا لیکن برنابا بھی اس کی دوستی پر قائم نہ رہ سکا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ان کے مابین دوستی کے ٹکڑے ٹوٹ گئے، بلکہ اس سے عام شاگردوں نے بھی نفرت کا اظہار کیا اور اس سے دوستی پر اس لوقا کے سوا کوئی قائم نہ رہا جس نے اپنے آپ کو پولس کا خاص شاگرد سمجھا، اس کے بعد پولس اسے [الطبیب الحبیب] ''پیارے طبیب'' کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

پولس اس مسیحیت کی دعوت دینے لگا جسے حوارین نہیں جانتے تھے کیونکہ اس نے کسی قسم کی تعلیم ان حوارین کے ذریعے سے حاصل نہ کی تھی بلکہ وہ دعویٰ کرنے لگا کہ یسوع مسیح سے براہِ راست اور بلا واسطہ وہ یہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ جو تعلیم وہ لاتا ہے اس

[1] نیا عہد نامہ: 136، لیکن اس سے اگلی عبارت عہد نامہ کی عبارت سے بہت مختلف ہے یہ نسخوں کا اختلاف ہے یا تحریف کی کارستانی۔

کے سوا کوئی اور تعلیم قبول کرے۔ اسی بارہ میں وہ اپنے ایک خط میں جو اس نے اپنے مرید تیموتھیس کو لکھا تھا کہتا ہے:

''میں نے تجھ سے افسس میں ٹھہرنے کا مطالبہ کیا جبکہ میں مقدونیہ جا رہا تھا تا کہ تو ایک قوم کو وصیت کرے کہ وہ کوئی اور تعلیم نہ دیں اور نہ ہی ان کہانیوں اور بے انتہا نسب ناموں کی طرف کان لگائیں جو تکرار کا باعث بنتے ہیں اور اس انتظام الٰہی کے موافق نہیں جو ایمان پر مبنی ہے۔ اور جو انتہا درجے کی وصیت ہے تو وہ پاک دل نیک ضمیر اور ریاء سے مبرا ایمان کے ساتھ محبت کا نام ہے یہ وہ امور ہیں کہ جب کوئی قوم ان سے ہٹتی ہے تو وہ باطل کلام کی طرف مائل ہو جاتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ جبریل کی معلم و استاد بنے، حالانکہ جو وہ کہتی ہے یا ثابت کرتی ہے اسے سمجھتی نہیں۔''

اور وہ کہتا ہے ''جو کوئی اور تعلیم سکھاتا ہے تو وہ ڈینگ مارتا ہے اور سمجھتا کچھ نہیں۔''[1]

پولس یہ دعوٰی کرنے لگا کہ وہ اکیلا ہی معلم میسحیت ہے اور وہ ایسی نئی تعلیمات پھیلانے لگا جنھیں وہ ہندوؤں اور بدھ متوں کے مذہبوں، یونانیوں کے فلسفہ اور یہودیوں کی بعض تعلیمات سے اخذ کرتا تھا، چنانچہ وہ پہلی مرتبہ نظریہ تثلیث اور یہ نظریہ لایا کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ وہ اترا تھا تا کہ اپنی جان دے کر انسان کی غلطی کا کفارہ بنے اور وہ اوپر چڑھ گیا تا کہ اپنے باپ کے دائیں بیٹھ کر فیصلے کرے اور انسانوں کو جزا و سزا دے۔ (اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بالا ہے اس بکواس سے جو یہ کرتے ہیں۔)

پولس کے نظریات مغرب میں بت پرستوں اور یونانیوں کے درمیان اس وقت پھیلے جب مشرق میں ان کے خلاف جنگ جاری تھی اس بارہ میں پولس اپنے شاگرد تیموتھیس کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

''تو جانتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو ایشیا میں ہیں مجھے چھوڑ گئے ہیں، اس کے باوجود پولس [مختلف] خطوں میں گھومنے لگا وہ چرچ بناتا، خطبے دیتا اور خطوط و رسائل بھیجتا جو عیسائیت کی بنیاد بن گئے حتی کہ وہ 66 یا 67ء میں نیرون کے فسادات میں قتل کر دیا گیا۔

---

[1] نیا عہد نامہ تیموتھیس کے نام پہلا خط: 201.

انجیل اور اس کی تحریف

انجیل یونانی لفظ ہے جس کا معنی بشارت ہے۔ اصطلاح میں اس کا اطلاق عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ہوتا ہے، اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس انجیل کو ان الفاظ سے موصوف کیا ہے:

''اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اپنے سے پہلے موجود تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا اور اسے انجیل عطا کی جس میں نور و ہدایت ہے اور وہ [بھی] اپنے سے پہلے موجود تورات کی تصدیق کرنے والی ہے اور متقین کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔''[1]

لیکن نصاریٰ کے ہاں اس انجیل کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی مؤرخین میں سے کسی نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے اس انجیل کا نسخہ دیکھا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ انجیل نہیں لکھی تھی آپ تو صرف بنی اسرائیل میں اس کی بشارت دیتے تھے [لیکن] اس کا ذکر ان اناجیل میں آیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد تالیف کی گئیں، چنانچہ متّی [صاحب انجیل] اپنی انجیل کے چوتھے اصحاح میں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور عیسیٰ علیہ السلام پورے [خطہٴ] گلیل میں گھومتے تھے ان کے مجمعوں میں تعلیم دیتے اور عزت وغلبہ کی بشارت کا وعظ کہتے، ہر مرض اور قوم کی ہر کمزوری کا علاج کرتے۔''[2]

پس لفظ ''بشارت الملکوت'' جو اس فقرہ میں استعمال ہوا ہے وہ انجیل ہی ہے کیونکہ انجیل کا معنی بشارت ہی ہے جیسا کہ مرقس [صاحب انجیل] اپنی انجیل کی فصل اول میں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

① المائدۃ 5: 46.

② نیا عہد نامہ: 7/2.

''یوحنا کے اسلام لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس [خطہ] گلیل کی طرف آئے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کی بشارت کا وعظ کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ''زمانہ مکمل ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی قریب آ گئی پس توبہ کرلو اور انجیل پر ایمان لے آؤ۔''①

تحریف انجیل

رفع عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں پر آزمائش کی گھڑی پڑنے۔ حتیٰ کہ وہ آپ سے جدا ہو کر بکھر گئے۔ کے بعد پولس (یہودی شاؤل) آیا اور اس نے اعلان کیا کہ وہ عیسائیت میں داخل ہو گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست تعلیمات حاصل کرتا ہے۔ اس نے لوگوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نئے نظریات پھیلانا شروع کر دیے، چنانچہ اس نے کہا: ''آپ معبود ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور آپ کو سولی پر چڑھا دیا گیا تاکہ آپ انسان [اول] کی غلطیوں کا کفارہ بنیں۔'' اس نے دیگر تعلیمات کا سننا لوگوں پر حرام کر دیا، اس طرح یہ انجیل اور دین مسیح میں پہلی تحریف تھی۔

انجیلیں اور ان کا باہمی تناقض

عیسائی مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سابقہ زمانوں میں مختلف انجیلیں تھیں جو قدیم عیسائی فرقوں کے ہاں معتبر تھیں ان فرقوں میں سے ہر فرقہ اپنی انجیل ہی معتبر مانتا تھا، کلیسا نے تیسری صدی عیسوی کے شروع میں صرف چار انجیلیں باقی رکھنے کا اہتمام کیا، وہ:

(1) انجیل مرقس (2) انجیل متّی (3) انجیل لوقا (4) انجیل یوحنا ہیں۔

کلیسا نے ان کے ماسوا باقی انجیلوں [کے پڑھنے] کو حرام قرار دے دیا جبکہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے آخر سے قبل ان اناجیل کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور پہلا آدمی جس نے ان اناجیل کا تذکرہ کیا ہے وہ آرینیوس 209ء ہے۔ پھر اس کے بعد کلیمنس اسکندریانوس

① انجیل مرقس: 1/35.

216ء میں آیا اس نے اناجیل اربعہ کو لازم التسلیم قرار دیا لیکن دوسری اناجیل اور کلیسا کے درمیان جھگڑا ختم نہ ہوا حتی کہ شہنشاہ قسطنطین عیسائیت میں داخل ہوا اس نے عیسائیوں کو سخت جھگڑے میں پایا، چنانچہ ان میں سے بعض اعتقاد رکھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور بعض دعویٰ کرتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ازلی ہونے کی صفت آپ کے لیے ثابت ہے۔

مصری عیسائیوں میں سے ایک آدمی آریوس بڑا پرچار کرنے والا مبلغ تھا اس نے اپنے آپ پر اس کلیساء اسکندریہ کا مقابلہ لازم کرلیا تھا جو لوگوں میں الوہیت مسیح کے عقیدہ کی ترویج واشاعت کرتا تھا، پھر وہ اس چرچ اور اس کے مبلغین سے لڑنے لگا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اور اس بات کا انکار کرتے ہوئے جو ان اناجیل میں آئی تھی جن کی کلیسا حمایت کررہا تھا، یعنی وہ بات جو عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے وہم کو جنم دے رہی تھی وہ یہ بات مشہور کررہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق [میں سے] ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور نہ تو وہ اللہ ہے اور نہ ابن اللہ۔

کتاب ''تاریخ امۃ القبطیہ'' کہتی ہے:

اصل گناہ آریوس کا نہیں بلکہ کچھ اور گروہوں کا ہے جو ان بدعات کے گھڑنے میں [اس سے] سابق ومقدم ہیں، پھر اس نے وہ ان سے لیں، لیکن گروہوں کی تاثیر اس آریوس کی تاثیر کی طرح سخت نہ تھی جس نے بہت سے لوگوں کو الوہیت کے راز کا منکر بنا دیا حتی کہ یہ عقیدہ عام پھیل گیا اور اسیوط کا چرچ، آریوس کی رائے کے مطابق، یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ایسے ہی مقدونیہ اور فلسطین کی پادریت بھی آریوس کے مذہب کی مؤید تھی۔

اسکندریہ میں کلیسا آریوس اور اس کے عقیدہ کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگا اور عیسائی مذہبی سردار پطرس نے گمان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آریوس پر لعنت کی اور وہ ان [عیسائیوں] کو اس سے ڈراتا ہے۔ پطرس نے کہا میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو پھٹے ہوئے کپڑوں والا دیکھا تو میں

نے آپ سے کہا میرے محترم! آپ کا کپڑا کس نے پھاڑا ہے تو اس نے کہا: آریوس نے، پس تم اسے اپنے ساتھ شامل کرنے سے پرہیز کرو۔

جب شہنشاہ روم قسطنطین عیسائیت میں داخل ہوا اور اس نے یہ جھگڑا دیکھا۔ وہ اس دین میں نیا آیا تھا اس کی حقیقت سے بے بہرہ تھا۔ تو اس نے یہ جھگڑا احسن طریقے سے روکنے کی کوشش کی اور ان جھگڑوں کو روکنے کے لیے آریوس اور اس کے مخالفین سے خط کتابت شروع کی، جب وہ کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے ازنیق میں 325ء میں ایک اجتماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔

رومی جرنیل[1] کا عیسائی بیٹا [اس اجتماع میں] جمع ہونے والوں، ان کی گنتی اور ان کے مذاہب کے بارہ میں کہتا ہے:

''شاہِ قسطنطین نے تمام شہروں کی طرف پیغام بھیج کر تمام عالموں اور پادریوں کو جمع کر لیا چنانچہ ازنیق شہر میں دو ہزار اڑتالیس پادری جمع ہو گئے یہ لوگ مختلف آراء اور مختلف مذاہب والے تھے، بعض کہتے تھے: عیسیٰ اور اس کی والدہ اللہ کے علاوہ دو معبود ہیں، عیسیٰ، باپ [اللہ] سے آگ کے ایک شعلے کی طرح ہے جو آگ کے شعلے ہی سے جدا ہو جائے، پھر دوسرے کے اس سے جدا ہونے سے پہلا کم نہ ہو۔ اور بعض کہتے تھے کہ مریم نے آپ کا حمل نو ماہ نہیں اٹھایا وہ تو صرف اس طرح گزر گیا جس طرح پانی پرنالے سے گزر جاتا ہے کیونکہ وہ کلمہ جو ان کے کان میں داخل ہوا تھا۔ فوراً ہی وہاں سے نکل گیا جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ بعض کا خیال تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام انسان ہیں اپنی ذات میں ہم میں سے کسی ایک کی طرح صفت خداوندی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور بیشک بیٹے کی ابتدا مریم سے ہے اور اسے چن لیا گیا تاکہ وجود انسانی کے لیے نجات دہندہ بن جائے نعمت الٰہیہ اس کے ساتھ رہی اور محبت اور مرضی کے ساتھ اس میں حلول کر گئی، اس لیے اس کا نام ابن اللہ رکھا گیا۔

[1] ''ابن البطریق'' میں بطریق کسی شخصیت کا نام معلوم ہوتا ہے مگر عیسائی تاریخ میں اس نام کا کوئی مشہور آدمی نہیں ملتا اور صاحب المنجد، جو ایک عیسائی آدمی ہے، نے بھی اسے قسم الاعلام میں ذکر کرنے کی بجائے قسم اللغہ میں ذکر کیا ہے اور معنی لکھا ہے ''القائد من قواد الروم'' یعنی رومیوں کا جرنیل اور یہی معنی صاحب مصباح اللغات نے لکھا ہے۔

وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ایک قدیم ذات اور ایک اصل ہے وہ اس کے تین نام رکھتے ہیں وہ کلمہ اور روح القدس پر ایمان نہیں رکھتے۔ بعض کہتے ہیں وہ تین معبود ہیں جو ہمیشہ رہے ہیں، یعنی نیک، بد اور ان کے وسط میں؛ بعض عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے، ایلچی پولس (شاؤل یہودی) کا یہی قول ہے۔ دین عیسائیت کو ثابت کرنے کے لیے 325ء میں شہر ازنیق کی کانفرنس میں جمع ہونے والوں کے مذاہب اور ان کی تعداد کی واضح صورت رومی جرنیل کے بیٹے نے اسی طرح بیان کی ہے۔

اس آخری مذہب یعنی الوہیت عیسیٰ کے قول، جسے پولس نے ایجاد کیا تھا، کی تین سو اٹھارہ پادریوں نے تائید کی جبکہ ایک ہزار سات سو تیس پادریوں نے اس کی مخالفت کی لیکن تعجب انگیز بات ہے کہ شاہ قسطنطین الوہیت عیسیٰ کے قائلین کے قول کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اس نظریہ کے حاملین کے لیے ایک خاص مجلس منعقد کی جس کو بیان کرتے ہوئے وہی ابن بطریق کہتا ہے:

"بادشاہ نے ان تین سو اٹھارہ پادریوں کی ایک عظیم اور خاص مجلس منعقد کی، خود ان کے وسط میں بیٹھا اپنی انگوٹھی، لاٹھی اور تلوار انہیں دے کر کہنے لگا: میں نے آج تمھیں ملک پر حکمران بنا دیا ہے تاکہ تم وہ کام کرسکو جو تمھیں کرنا چاہیے۔ یعنی جس میں دین کی پختگی اور مومنین کی بھلائی ہو، انھوں نے بادشاہ کو برکت کی دعائیں دیں۔ اس کی تلوار اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہا: دین عیسائیت کا پرچار و دفاع کیجیے، انھوں نے اس کے لیے چالیس ایسی کتابیں لکھیں جن میں سنن واحکام تھے ان میں سے کچھ احکام وہ تھے جو بادشاہ کو سیکھنے چاہئیں اور ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور کچھ وہ تھے جن پر پادریوں کو عمل کرنا چاہیے۔

اس تاریخ سے اس مذہب کی مخالفت ممنوع قرار پائی اور اس کے مخالفین سے جنگ کی گئی اور سرکاری طور پر چار اناجیل کے سوا باقی سب اناجیل منسوخ کر دی گئیں، یعنی متّی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل۔

انجیل متّٰی [1]

اس انجیل کا مؤلف عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں [2] میں سے ایک شاگرد متی حواری ہے جو متی عشاری کے نام سے معروف ہے کیونکہ وہ آپ کے ساتھ ملنے سے پہلے رومیوں کے لیے ٹیکس جمع کرتا تھا اور اس وقت ٹیکس جمع کرنے والے عشارین کے لقب سے ملقب تھے اور یہ فلسطین کے علاقہ گلیل کے [شہر] کفرنحوم میں کام کرتا تھا۔

متّی نے اپنی انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں داخل ہونے کی کیفیت بیان کی ہے، چنانچہ وہ اپنی انجیل کے نویں اصحاح میں لکھتا ہے:

''ایک دفعہ عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزر رہے تھے، آپ نے محصول چنگی پر ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا جس کا نام متّی تھا آپ نے اس سے کہا میرے پیچھے آؤ وہ آپ کے پیچھے ہولیا۔ ایک دفعہ آپ گھر میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک کچھ ٹیکس جمع کرنے والے اور گناہ گار لوگ آئے اور آپ کے ساتھ اور آپ کے شاگرد کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے جب فریسیوں [3] نے یہ منظر دیکھا تو آپ کے شاگردوں سے کہا: تمھارے استاد ٹیکس جمع کرنے والوں اور گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھ کر کیوں کھاتے ہیں؟

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سنی تو ان سے کہا: تندرست، طبیبوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ مریض محتاج ہوتے ہیں پس جاؤ اور سیکھو اس کا معنی کیا ہے، بیشک میں رحمت و نرمی چاہتا ہوں قربانی نہیں چاہتا میں نیکوں کو دعوت دینے نہیں آیا بلکہ خطا کاروں کو توبہ کی دعوت دینے آیا ہوں۔

---

[1] بفتح المیم و تشدید التاء ۔ فیروز اللغات فارسی 644.

[2] ان بارہ حواریوں کے نام اسی انجیل کے صفحہ نمبر 12 پر مذکور ہیں۔

[3] یہودیوں میں سے عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں پیش پیش جماعت.

اس انجیل کی تاریخ تدوین کے بارہ میں خود عیسائیوں میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ 39ء میں تالیف کی گئی جبکہ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ 41ء کی تالیف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ شہنشاہ قلودیوس کے دور میں لکھی گئی لیکن وہ سن تالیف کی تعیین نہیں کرتے اور یہ بات معلوم ہے کہ قلودیوس نے چودہ سال حکمرانی کی۔ ھورن کہتا ہے کہ یہ 37ء یا 38ء یا 41ء یا 43ء یا 48ء یا 61ء یا 62ء یا 63ء یا 64ء میں لکھی گئی۔

ایسے ہی اس زبان جس میں انجیل لکھی گئی اور اس شہر جہاں یہ لکھی گئی کے بارہ میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ عبرانی میں لکھی گئی جبکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ سریانی میں لکھی گئی، پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ یروشلم میں لکھی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یونانی [زبان] میں لکھی گئی۔ پھر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ یونانی میں ہی مشہور ہوئی لیکن یونانی میں اس کے مترجم کے بارہ میں پھر اختلاف ہے۔

مشہور بات یہ ہے کہ رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد متی زیادہ عرصہ فلسطین میں نہ رہے بلکہ وہ عیسائیت کی بشارت دیتے ہوئے بہت سے شہروں میں گھومے اور ملک حبشہ میں قرار پایا حتی کہ 70ء میں ملک حبشہ میں ہی ایک زخمی کر دینے والی ضرب کے بعد جو شاہ حبشہ کے ساتھیوں میں سے ایک نے آپ کو لگائی، فوت ہو گئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ملک حبشہ میں تقریباً تیئس (32) سال گزارنے کے بعد 62ء میں آپ کو نیزہ مارا گیا۔

انجیل مَرقُس ①

اس انجیل کا مؤلف اصلاً یہودی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت اس کا خاندان یروشلم ہی میں مقیم تھا لیکن وہ [عیسیٰ علیہ السلام کے] حواریین میں سے نہیں تھا بلکہ وہ بڑے حواری پطرس کا شاگرد تھا اسی طرح اس نے اپنے ماموں برنابا کی شاگردی بھی اختیار کی، مرقص نے یہ انجیل یونانی زبان میں شہنشاہِ نیرون کے دور میں اہل روم کے مطالبہ پر لکھی۔

ابن بطریق نے بیان کیا ہے کہ حواریین کے رئیس پطرس نے روم میں مرقص سے یہ انجیل لکھی اور اسے مرقص ہی کی طرف منسوب کر دیا، یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے کہ حواریین کا رئیس اپنے ہی شاگرد سے یہ انجیل کیسے بیان کرسکتا ہے، پھر اسے شاگرد ہی کی طرف کیسے منسوب کرسکتا ہے۔

جبکہ بعض راوی ثابت کرتے ہیں کہ مرقص نے یہ انجیل پطرس کی وفات کے بعد لکھی، کتاب "مروج الأخبار في تراجم الأبرار" میں مذکور ہے کہ مرقص عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا منکر تھا، اسی طرح اس کے استاد پطرس کا بھی یہی مذہب وعقیدہ تھا۔ اس کتاب میں مرقص کے بارہ میں مذکور ہے کہ اہل روم کے مطالبہ پر اس نے یہ انجیل لکھی اور وہ الوہیت مسیح کا منکر تھا۔

مرقص ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتا رہا اور مسیحیت کی بشارت دیتا رہا حتی کہ پہلی صدی کے وسط میں وہ مصر میں داخل ہوا، پھر وہیں مقیم ہوگیا اور عیسائیت کی دعوت دینے لگا تو مصریوں کی ایک بڑی تعداد عیسائیت میں داخل ہوگئی، پھر کبھی وہ مصر سے روم کی طرف سفر کرتا اور کبھی شمالی افریقہ کی طرف لیکن [بالآخر] اس نے مصر میں اقامت کو ترجیح دی یہاں تک کہ بت پرستوں نے اس کے خلاف سازش کی اسے قید کرلیا سزائیں دیں اور بالآخر 62ء میں قتل کر دیا۔

① بفتح الميم وضم القاف ثم صاد و قيل بالسين۔ المنجد 602.

انجیل لوقا

اس انجیل کا مؤلف نہ تو حواریین میں سے ہے اور نہ ان کے شاگردوں میں سے [بلکہ] صرف پولس (شاؤل یہودی) کا شاگرد تھا اسے خلوص دکھایا اور اس کے خاص دوستوں میں سے ہو گیا اس کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ انطاکیہ کا ہے وہیں پیدا ہوا بعض کہتے ہیں کہ وہ رومی ہے اٹلی میں پروان چڑھا، ایسے ہی بعض کہتے ہیں وہ طبیب تھا جبکہ بعض کا خیال ہے وہ فوٹو گرافر تھا۔

خود لوقا نے اپنی انجیل کی تالیف کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اس نے یہ انجیل اس بات سے شروع کی:

''جب بہت سے لوگوں نے ہمارے ہاں یقینی امور کے بارہ میں قصہ کی تالیف شروع کی جس طرح ہمیں یہ امور ان لوگوں نے سپرد کیے جو کلمۃ اللہ کے لیے خادم اور اسے شروع سے دیکھنے والے تھے تو میں نے بھی ارادہ کیا۔ کیونکہ میں نے ہر چیز کا شروع سے باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا کہ اے معزز تھیفلس میں تیری طرف لگاتار لکھوں تاکہ تو اس کلام کی صحت جان جائے جو تجھے سکھائی گئی ہے۔''[1]

عیسائیت کے مؤرخین نے اس انجیل کی تاریخ تدوین میں بھی اختلاف کیا ہے، چنانچہ بعض نے کہا ہے یہ 53ء یا 63ء یا 68ء یا 84ء میں لکھی گئی جبکہ بعض نے کچھ اور بتایا۔

[1] کتاب مقدس نیا عہد نامہ: 51/2.

انجیل یوحنا

اس انجیل کا مؤلف علماء نصاریٰ کے ہاں بہت زیادہ محل نزاع ہے، چنانچہ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایک حواری یوحنا بن زیدی صیاد ہے، اور بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اور یوحنا ہے جو پہلے یوحنا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

تحقیق بعض عیسائی علماء نے دوسری صدی عیسوی کے آخر میں یوحنا حواری کی طرف اس انجیل کی نسبت کا اس وقت انکار کیا جب یوحنا حواری کے شاگرد بولیکارب کا شاگرد ارینیوس زندہ تھا اور کسی نے نقل نہیں کیا کہ ارینیوس نے اپنے استاد سے اس نسبت کی صحت کے بارہ میں کچھ سنا ہو۔

بعض علماء نصاریٰ کہتے ہیں کہ ''پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے طلباء میں سے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔'' جیسا کہ برطانیہ کے اس انسائیکلو پیڈیا میں ذکر ہے جس کی تالیف میں پانچ سو علماء نصاریٰ شریک ہوئے تھے:

''کہ رہی انجیل یوحنا تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ ایک جھوٹی کتاب ہے اس کتاب والے نے دو حوارییں کی باہمی مخالفت کو نشانہ بنایا وہ دونوں بزرگ یوحنا اور متی ہیں۔ اس جھوٹے کاتب نے متن کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ میں وہ حواری ہوں جس سے عیسیٰ علیہ السلام محبت کرتے ہیں، پس چرچ نے یہ جملہ اس کے مختلف احوال کے باوجود قبول کر لیا اور یقین کر لیا کہ اس کا کاتب یوحنا حواری ہی ہے اور اس کا نام صراحت کے ساتھ کتاب پر لکھ دیا، حالانکہ اس کا کاتب یقیناً غیر یوحنا ہے اور یہ کتاب ان بعض کتب تورات کی طرح ہے جن کے درمیان اور جن کی طرف وہ منسوب ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تعلق یا رابطہ نہیں اور ہم ترس کھاتے اور نرمی

کرتے ہیں ان لوگوں پر جو اپنی انتہائی کوشش اس چیز میں صرف کرتے ہیں کہ وہ اس فلسفی آدمی۔ جس نے دوسری نسل میں یہ کتاب تالیف کی۔ کا تعلق اس عظیم حواری یوحنا صیاد سے جوڑ دیں اگرچہ یہ تعلق نہایت کمزور ہی ہو کیونکہ ان کے اعمال غلط راہ پر ٹامک ٹوئیاں مارنے کی وجہ سے رائیگاں جا رہے ہیں۔

جبکہ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ انجیل 90ء یا 97ء اور بعض کا خیال ہے کہ یہ 68ء یا 70ء یا 89ء میں لکھی گئی۔

عام عیسائی مؤرخین ثابت کرتے ہیں کہ انجیل یوحنا ہی وہ اکیلی انجیل ہے جو الوہیت مسیح کو صراحت سے بیان کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسی الوہیت کے اثبات کے لیے ہی تالیف کی گئی ہے، اور اس سے ان لوگوں کے مذہب کو بھی تقویت ملتی ہے جو کہتے ہیں کہ اس کا مؤلف اسکندریہ کے اس مدرسہ کے طلباء میں سے ہے جو الوہیت مسیح کے قول۔ جسے اس نے پولس (شاؤل یہودی) سے نقل کیا۔ کو اپنائے ہوئے تھا۔

ان اناجیل کا باہمی تناقض

یہ چاروں اناجیل جنھیں مجلس ازنیق نے 325ء میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا تھا اپنے بہت سے موضوعات میں باہم متناقض ہیں، چنانچہ ان کا ظاہری شکل کا تناقض یہ ہے کہ یہ سب اپنی ابتداء وانتہاء اور ظاہری ترتیب میں متعارض ہیں جس طرح کہ یہ خاص مسائل میں بھی متناقض ہیں، چنانچہ متّی کی ابتدا [یوں] ہے:

① یسوع مسیح بن داود بن ابراہیم کا نسب نامہ۔

② ابراہیم نے اسحاق، اسحاق نے یعقوب اور یعقوب نے یہوداہ اور اس کے بھائیوں کو جنم دیا...... الخ۔

اور انجیل مرقُص کی ابتداء [یوں] ہے:

① یسوع مسیح ابن اللہ کی انجیل کی ابتدا۔

② جیسا کہ صحیفۂ انبیاء میں یہ بات مکتوب ہے یہ لو میں تیرے آگے اپنا فرشتہ بھیج رہا ہوں...... الخ۔

رہی انجیل لوقا تو اس کی ابتدا [یوں ہوئی] ہے:

① جب بہت سے لوگوں نے ہمارے ہاں یقینی امور کے بارہ میں قصہ کی تالیف شروع کی۔

② جس طرح ہمیں یہ امور ان لوگوں نے سپرد کیے جو کلمۃ اللہ [عیسیٰ علیہ السلام] کے لیے خادم اور انہیں شروع سے دیکھنے والے تھے تو میں نے بھی لکھنے کا ارادہ کیا کیونکہ میں نے شروع ہی سے ہر چیز کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔

رہی انجیل یوحنا تو اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

① شروع میں وہ کلمہ تھا اور کلمہ اللہ کے ہاں تھا۔

② یہ ابتدا میں اللہ کے ہاں تھا۔

③ ہر چیز اس کے ذریعے سے وجود میں آئی اور اس کے غیر کے ذریعے سے کوئی چیز وجود میں نہیں آئی۔

رہا ان اناجیل کا اپنے عام مظہر میں اختلاف تو انجیل متی کی اٹھائیس 28 مرقص کی سولہ 16 لوقا کی 14 [1] اور یوحنا کی اکیس فصلیں [اصحاح] ہیں۔

رہا ان اناجیل کا ایک ہی مسئلہ میں تناقض تو وہ درج ذیل صورت میں واضح ہو رہا ہے:

❁ انجیل متی ثابت کر رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سلیمان بن داود کی اولاد سے تھے۔ [2]

❁ اور انجیل لوقا ثابت کر رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ناثان بن داود کی اولاد سے تھے۔ [3]

❁ انجیل متی ثابت کر رہی ہے کہ سلتائیل یکیناہ کا بیٹا ہے۔ [4]

❁ اور انجیل لوقا ثابت کر رہی ہے کہ سلتائیل نیری کا بیٹا ہے۔ [5]

❁ انجیل متی ثابت کر رہی ہے کہ داود سے عیسیٰ علیہ السلام تک چھبیس نسلیں تھیں۔ [6]

❁ انجیل لوقا ثابت کر رہی ہے کہ داود سے عیسیٰ علیہ السلام تک اکتالیس نسلیں تھیں۔ [7]

❁ ایسے ہی انجیل متی ثابت کر رہی ہے کہ وہ عورت جو عیسیٰ علیہ السلام کے صور [8] وصیدا [شہروں] کے مضافات کی طرف جانے کے وقت آپ کے پیچھے پہنچی وہ کنعانی تھی، جیسا کہ اس انجیل کے

---

① موجودہ ''نیا عہد نامہ'' میں لوقا کی چودہ نہیں بلکہ 24 فصول ہیں اس لیے یہ کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

② نیا عہد نامہ: 5/1. ③ نیا عہد نامہ: 5/2. ④ نیا عہد نامہ: 5/1. ⑤ نیا عہد نامہ: 5/2.

⑥ نیا عہد نامہ: 5/1. ⑦ نیا عہد نامہ: 55/1. ⑧ صور: بحر شام کے کنارے شام کا ایک نہایت قدیم شہر ہے کہتے ہیں کہ یونان کے اکثر علماء اسی شہر کے تھے۔ مسلمانوں نے یہ اور عکا [شہر] 66ھ میں فتح کیے تھے اور اب مدت سے ویران ہے اور صیدا دمشق سے 66 میل بحر شام کے کنارے ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ (فرہنگ مسدس حالی: 145)

پندرھویں اصحاح میں مذکور ہے۔[1]

❁ اور انجیل مرقس ثابت کرتی ہے کہ یہ عورت یونانی تھی اور قوم کی سورفینکی، جیسا کہ اس کی فصل سابع میں مذکور ہے۔[2]

❁ ایسے ہی انجیل متی چھبیسویں اصحاح[3] میں اس خبر کے متعلق جس میں مسیح علیہ السلام کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے کا دعویٰ کیا گیا ہے یہ انجیل جو کچھ ثابت کر رہی ہے وہ اس چیز کے خلاف ہے جسے انجیل یوحنا اپنی اٹھارہویں فصل میں اس موضوع پر ثابت کر رہی ہے۔[4]

① نیا عہد نامہ: 19/2. ② نیا عہد نامہ: 41/2. ③ نیا عہد نامہ: 30/2. ④ نیا عہد نامہ: 102/2.

انجیل برنابا / برنباس

اس انجیل کا مؤلف اسی انجیل کے چودھویں اصحاح میں اس طرح مذکور ہے کہ وہ بھی بارہ حواریین میں سے ہے جیسا کہ لوقا سے منسوب اعمال الرسل [رسالہ] کے چوتھے اصحاح [کے آخر] میں مذکور ہے کہ "وہ ایلچیوں میں سے ہے" اور اسی میں وہ کہتا ہے: اور وہ یوسف جو ایلچیوں میں شمار ہوتا ہے "برنابا" کے نام سے مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "وعظ و نصیحت کا بیٹا" وہ لاوی [النسب] اور قبرص کا رہنے والا ہے، اس کی کھیتی تھی اسے بیچ کر درہم لایا اور انہیں ایلچیوں کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔[1]

ایسے ہی "اعمال الرسل کا یہ رسالہ کئی ایک مقامات پر اس کے بارہ میں گفتگو کرتا ہے، اس کے نویں اصحاح میں مذکور [درج ذیل] عبارت بھی اسی بارہ میں ہے:

"اور جب شاؤل (پولس) یروشلم آیا اور اس نے شاگردوں میں شامل ہونے کی کوشش کی تو سب اس سے ڈرتے تھے، اس بات کی تصدیق نہیں کرتے تھے کہ وہ شاگرد ہے، پس اسے برنباس نے [ساتھ] لیا اور ایلچیوں کے سامنے پیش کر دیا...... الخ"[2]

ایسے ہی وہ اناجیل اربعہ کے مؤلفین میں سے ایک مؤلف، یعنی مرقص کا ماموں بھی ہے۔

برنباس نے اپنی انجیل کے مقدمہ میں اس سبب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی بنا پر یہ تالیف ہوئی، وہ یہ کہ اس نے یہ کتاب اس لیے تالیف کی تاکہ ان لوگوں کا رد کر سکے جو الوہیت مسیح یا مسیح کے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس بارہ میں وہ کہتا ہے:

"معززین عظام اللہ تعالیٰ عجیب و عظیم ذات نے ان ایام میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے

---

① کتاب مقدس، نیا عہد نامہ: 111/2.

② نیا عہد نامہ: 111/2.

ذریعے سے عظیم رحمت کے ساتھ تعلیم کے لیے ڈھونڈ لیا ہے اور وہ نشانیاں جو شیطان نے جوڑی ہیں وہ تقویٰ کے نام پر بہت سے کفر شدید کی تعلیم کی بشارت دینے والوں، مسیح کو ابن اللہ کہنے والوں، اس ختنہ، جس کا اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی حکم دیا ہے، کو رد کرنے والوں اور ہر ناپاک گوشت کو حلال قرار دینے والوں کی گمراہی کا ذریعہ ہیں، جن کی گنتی میں وہ پولس (شاؤل یہودی) بھی گم ہو کر رہ گیا ہے جس کے بارہ میں افسوس سے ہی گفتگو کروں گا، اور یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے میں یہ حق لکھ رہا ہوں جو میں نے سمجھا۔''[1]

یہ انجیل کب دریافت ہوئی؟

تاریخی یا نصرانی کتب اس انجیل کے بارہ میں اس بات کے سوا کچھ نہیں لکھتیں جو اس حکم میں وارد ہوئی ہے جسے اس پہلے پوپ ''جلایوس'' نے جاری کیا جو 492ء میں پوپ کی کرسی پر براجمان ہوا، چنانچہ اس پوپ نے ایک حکم جاری کیا جس میں وہ ان کتابوں کو شمار کرتا ہے جن کا مطالعہ کرنا حرام ہے انجیل برنابا انہی کتب میں سے ہے۔

اس وقت دنیا میں اس کا معروف نسخہ وہ ہے جو ویانا [شہر] کی بلاط لائبریری میں ملا تھا، پروسیا کے بادشاہ کے ایک مشیر کریمر نے یہ نسخہ دریافت کیا جسے اس نے ایمسٹرڈم کے ایک رئیس سے 1709ء میں عاریتاً لیا تھا پھر اس رئیس نے 1713ء میں یہ تحفہ اس پرنس ایوجین صافوی کو دے دیا جو سائنس اور تاریخی آثار کا شوقین تھا، پھر یہ پرنس کی پوری لائبریری سمیت ویانا کی شاہی بلاط لائبریری میں منتقل ہو گیا جہاں اب تک موجود ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ اصل میں تقریباً سولہویں صدی کے آخر میں پانچویں پوپ سکتس کی لائبریری میں تھا اور ایک راہب جس کا نام فرا مرینو تھا اس کو ایرانوس [نامی عالم] کے کچھ رسائل ملے ان میں سے ایک رسالہ ایسا تھا جس میں اس نے اس بات پر نکتہ چینی کی تھی جو پولس نے لکھی تھی اور وہ اپنی اس نکتہ چینی کو انجیل برنابا سے منسوب کرتا تھا، اس نے اس انجیل کی تلاش

---

[1] انجیل برنباس:109.

شروع کردی اور پانچویں پوپ سکتس کا قرب حاصل کیا حتی کہ پوپ نے اسے اپنے خاص مکتبہ کا امین بنا دیا۔

اسی مکتبہ میں یہ انجیل اسے ملی اس نے اسے اپنے کپڑوں میں چھپایا اور اس کا مطالعہ کیا اور یہی اس کے اسلام لانے کا سبب بن گیا اور ہوسکتا ہے یہ وہی نسخہ ہو جسے بعد میں گریمر نے 1709ء میں دریافت کیا۔ تقریباً 1784ء میں اس کا ایک اور نسخہ ملا جو ہسپانوی زبان میں تحریر تھا اس کا ترجمہ ایک مستشرق [1] "سابل" نے انگریزی میں کیا لیکن یہ نسخہ بعد میں مفقود ہوگیا، بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ڈاکٹر خلیل سعادہ نے اس انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا اور صاحب رسالہ "المنار" شیخ محمد رشید رضا نے اسے بیسویں صدی کے شروع [1908]ء میں طبع کیا۔ [2]

یہ انجیل توحید اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اسلام سے بہت کم مختلف ہے، چنانچہ اس کے مقدمہ، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، [3] میں اس آدمی کی تکفیر مذکور ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتا ہے۔ [4]

اس کے سترویں اصحاح میں وہ کہتا ہے:

"عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا میرے بارہ میں خود تمھارا کیا قول ہے؟ تو پطرس نے جواب دیا آپ اللہ تعالیٰ کے بیٹے مسیح ہیں تب عیسیٰ علیہ السلام غضبناک ہوگئے اور اسے غضب میں یہ کہتے ہوئے ڈانٹا "جا مجھ سے دور ہو جا تو شیطان ہے اور مجھ سے بدسلوکی کرنا چاہتا ہے۔" [5]

اور اس کے ترانویویں (93) اصحاح میں مذکور ہے:

کاہن نے جواب دیا یہودیت تیری نشانیوں کی وجہ سے پریشان ہوگئی ہے حتی کہ وہ

---

[1] مغربی ممالک کا وہ محقق جو مشرق کے علوم وفنون وغیرہ کے متعلق تحقیق وجستجو کرتا ہے اسے مستشرق کہا جاتا ہے۔ دیکھیے "تاریخ الأدب العربی 378 للزیات"

[2] اور مولانا محمد حلیم انصاری نے نئے سرے سے اسے اُردو کا جامہ پہنایا اور ادارہ اسلامیات کراچی نے 1424ھ میں پہلی بار "انجیل برناباس" کے نام سے شائع کردیا۔

[3] دیکھیے صفحہ: 74. [4] انجیل برناباس: 109. [5] انجیل برناباس: 220.

علی الاعلان کہتے ہیں کہ آپ ہی اللہ ہیں پس میں عوام کی وجہ سے رومی سردار اور شاہ ہیرودس کے ہمراہ یہاں آنے پر مجبور ہو گیا ہوں پس ہم تہہ دل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ اس فتنہ کے مٹانے پر راضی ہو جائیں گے جو آپ کی وجہ سے بھڑک اٹھا کیونکہ ایک فریق کہتا ہے کہ آپ اللہ ہیں جبکہ دوسرا فریق کہتا ہے کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں ایک اور فریق کا خیال ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا:

''اے کاہنوں کے سردار! تو یہ فتنہ کیوں نہیں بجھاتا؟ کیا تو بھی دیوانہ ہو گیا ہے؟ اور کیا نبوتیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت بالکل بھلا دی گئی ہے؟ اے بدبخت یہودیت جسے شیطان نے گمراہ کر دیا۔''

جب عیسیٰ علیہ السلام یہ بات کہہ چکے تو آپ واپس آئے اور فرمایا:

''بے شک میں آسمان کے سامنے گواہی دیتا ہوں اور زمین پر بسنے والی ہر چیز کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر اس بات سے بیزار ہوں جو لوگوں نے میرے بارہ میں کہی: ''کہ میں انسانیت سے اونچا ہوں'' بلکہ میں تو ایک عورت سے پیدا شدہ بشر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں تمام انسانوں کی طرح رہتا ہوں۔''

اس انجیل کی دریافت کے بارہ میں عیسائی موقف

عیسائیوں نے اس انجیل کے ماننے سے انکار کر دیا ہے بلکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی ہے۔ ہم اس کی تردید کے لیے صرف اتنا کہنا چاہیں گے کہ یہ نصرانی فضا میں دریافت ہوئی، مسلمانوں کو اس کے بارہ میں کوئی علم نہیں، اس کا اٹالوی نسخہ آج تک ''ویانا'' کے مکتبہ میں باقی ہے جیسا کہ ڈاکٹر خلیل سعادہ عیسائی کا بیان ہے، پھر بھی موجودہ عیسائیوں کا اس انجیل کا انکار کوئی نئی بات نہیں ان کے اسلاف جن سے انھوں نے اپنا دین نقل کیا ہے ویانا کے کنونشن میں 325ء میں یہ بات پاس کر چکے ہیں کہ وہ ایسی کسی انجیل کو نہیں مانیں گے۔

① انجیل برنباس: 220.

دورِ حاضر میں عیسائیت کے پھیلے ہوئے عقائد

اجمالاً عیسائیوں کے تین بڑے فرقے ہیں:

① کیتھولک ② آرتھوڈکس ③ پروٹسٹنٹ

یہ سب فرقے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی الوہیت تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دیئے جانے کے قائل ہیں۔ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ [اس] درخت سے نہ کھائے، انھوں نے شیطان کے بہکانے کی بنا پر اس سے کھا لیا تو وہ خود اور ان کی اولاد تباہی کی مستحق ٹھہری لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا پس اپنے کلمہ کو ظاہری جسم بخشا جو اس کا ازلی بیٹا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے جبریل کو کنواری مریم کی طرف بھیجا اور اسے نجات دہندہ مسیح کی بشارت دی، اس بات کی بشارت کہ وہ اس ازلی کلمہ کو جنے گی اور وہ الٰہ کی والدہ بن جائے گی۔ اور وہ سولی کی موت پر راضی ہو گئے، حالانکہ وہ ان کے شایان شان نہیں تھی تاکہ پہلی غلطی کا کفارہ بن سکیں۔

ہاں یہ فرقے بعض فروع میں باہم اختلاف رکھتے ہیں جس کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

کیتھولک

یہ کیتھولک کو ماننے والے ہیں، کیتھولک کا معنی ہے عام، اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ باقی عیسائیوں کی ماں اور ان کی استانی ہے، ان کا نظریہ ہے کہ یہ اکیلا [فرقہ] دنیا میں عیسائیت پھیلا رہا ہے، ایسے ہی اس کا نام غربی گرجا یا لاطینی گرجا بھی ہے کیونکہ یہ لاطینی مغرب پر پوری طرح چھا گیا، چنانچہ فرانس، اٹلی، بلجیم، ہسپانیہ اور پرتگال کے علاوہ دیگر اور کئی ممالک بھی اس کے ماتحت ہیں۔

ایسے ہی اس کا نام پطرس یا رسولی گرجا بھی ہے کیونکہ اسے ماننے والے دعوٰی کرتے ہیں کہ

اس کی بنیاد رکھنے والا پہلا آدمی حواریین میں سے بڑا شخص پطرس ایلچی تھا۔کیتھولک گرجوں کا بڑا رئیس پاپائے روم ہے۔کیتھولک لوگ جن اہم امور میں ممتاز ہیں وہ یہ ہیں:

وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یقیناً روح القدس ایک ہی وقت میں اللہ باپ اور اللہ بیٹے سے پیدا ہوا، اسی طرح وہ اللہ باپ اور اللہ بیٹے میں مکمل مساوات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔[لیکن] اللہ تعالیٰ بہت بلند و بالا ہے اس بکواس سے جو یہ کرتے ہیں۔

کیتھولک لوگوں نے گلا گھٹ کر مر جانے والا حیوان حلال کر لیا اور انھوں نے راہبوں کے لیے خنزیر کی چربی کھانا بھی جائز قرار دے دیا۔

آرتھوڈیکس

ان کے گرجا کا نام آرتھوڈیکس یا مشرقی یا یونانی گرجا رکھا جاتا ہے کیونکہ اس کے ماننے والے اکثر عیسائی مشرقی رومیوں اور مشرقی ملکوں جیسے روس، بلقان اور یونان سے تعلق رکھتے ہیں اس کا اصل مرکز قسطنطنیہ ہے۔

اصل میں یہ فرقہ کیتھولک گرجا کے تابع تھا، پھر عالم قسطنطنیہ میخائیل کارولاریوس کے عہد 1054ء میں اس سے جدا ہو گیا۔

اس چرچ کی اہم بات یہ ہے کہ اس کے ماننے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ روح القدس صرف اللہ باپ سے پیدا ہوئے اور اللہ بیٹے سے پیدا نہیں ہوئے۔اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ معبود باپ معبود بیٹے سے افضل ہے۔آرتھوڈیکس گرجوں کا کوئی بڑا رئیس نہیں ہوتا بلکہ ہر گرجا دوسرے سے علیحدہ شمار کیا جاتا ہے اگرچہ عقیدہ میں سب متفق ہیں۔

پروٹسٹنٹ

یہ لوگ اس مارٹن لوتھر کے پیروکار ہیں جو سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں ظاہر ہوا۔ پروٹسٹنٹ کا معنی ہے حجت بنانے اور دلیل پکڑنے والے، ان کے اس دعویٰ کی بنا پر کہ وہ تو

صرف انجیل کی اتباع کرتے ہیں کسی اور کی نہیں اور وہ پاپاؤں کی طرف کسی حاجت ومراجعت کے بغیر خود ہی اسے سمجھتے ہیں۔ان کے گرجا کا نام انجیلی گرجا رکھا جاتا ہے۔

یہ مذہب جرمنی، انگلینڈ، ڈنمارک، ہالینڈ، سویٹزرلینڈ، ناروے اور شمالی امریکہ میں پھیلا ہوا ہے لیکن انگریز لوگ اپنے گرجا پر کیتھولک گرجا کا اطلاق کرتے ہیں اور اصلی گرجوں کو رومانی کیتھولکی گرجوں کا نام دیتے ہیں۔

اس فرقے کی اہم بات جس کی بنا پر یہ دیگر فرقوں سے ممتاز ہوتے ہیں یہ ہے کہ انھوں نے انجیل کو ہی عیسائیت کا بنیادی مصدر ومنبع مانا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ [اہل] گرجا کو گناہوں کی بخشش کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ ہی وہ راہب بننے کی ضرورت کے قائل ہیں،[1] اسی طرح انھوں نے دین داروں کے لیے نکاح جائز قرار دیا ہے اور وہ گرجوں میں سجدہ کرنے کے لیے تصویریں اور مورتیاں رکھنے کے بھی قائل نہیں، بایں دلیل کہ یہ بت پرستی کا عمل ہے۔

پروٹسٹنٹ کے گرجوں کا کوئی رئیس اعلیٰ نہیں وہ اس اعتبار سے آرتھوڈیکس کی طرح ہیں۔

[1] یاد رہے کہ اس سے قبل ذکر کردہ دونوں فرقوں میں سے کسی کے عقیدہ میں بھی ان دو باتوں میں سے کوئی بات ذکر نہیں کی گئی۔

ہندومت / ہندو دھرم

آٹھویں صدی قبل المیلاد میں ہندو دھرم پر برہما کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''برہمیت'' کے نام کا اطلاق کیا گیا۔ سنسکرت زبان میں اس کا معنی ''اللہ'' ہے۔ ہندو دھرم کے لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اپنی ذات کے ساتھ موجودہ ''برہما'' وہ معبود ہے جسے انسانی حواس نہیں پا سکتے۔ وہ صرف عقل سے معلوم ہوتا ہے، اور ''برہما'' وہ ازلی اور مستقل اصل ہے جس نے موجودہ کائنات کو پیدا کیا اور یہ جہان اپنی بقا بھی اسی سے ہی حاصل کرتا ہے، ہندو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس دین کے حامل لوگ اپنی طبیعتوں میں برہما کے عنصر کے ساتھ ملتے ہیں اس لیے ان پر ''براہمہ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

ہندو دھرم کی اصل

ہندومت ہندوستان کے باشندوں[1] کی اکثریت کا دین ہے جو آبائی رسوم و رواجات اور عقائد کا مجموعہ ہے، بالتحدید یہ معلوم نہیں کہ یہ دین کب وجود میں آیا ایسے ہی اس کے کسی ایسے بانی کا بھی پتہ نہیں چلتا جس سے یہ منسوب ہو۔ بایں ہمہ ظن غالب یہ ہے کہ یہ دین ان آریا لوگوں کا بنایا ہوا ہے جنھوں نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور اسے اپنا [مستقل] مسکن بنایا، پھر اپنے بعض رواجات آبائی رسوم اور اپنے دین کی کچھ باتیں یہاں منتقل کر لیں۔ ان لوگوں کا اصل یورپ کے علاقہ دانوب سے ہے یا دریائے جیحون کے قریب ترکستان کے علاقہ سے۔

ہندومت کا تعلق زندگی کے امور سے زیادہ ہے اور عقائد سے کم، پھر اس کے لیے محدود حدود والی عبادتیں بھی نہیں ہیں اس لیے یہ عقائد میں سے اس چیز کو بھی شامل ہے جو درختوں، پتھروں،

[1] ہند سے منسوب کوئی بھی چیز یا آدمی ہندی کہلاتا ہے جبکہ ہندومت سے منسوب آدمی کو عرب لوگ ہندوسی کہتے ہیں۔

بندروں، چراگاہوں، شرمگاہوں، گائیوں بلکہ ہر چیز کی عبادت کی حد تک نیچے گرا دیتی ہے، چنانچہ کبھی ہندو اس چیتے کی طرف [منہ کر کے] نماز پڑھتا ہے جو اس کے حیوانوں کو پھاڑ کھاتا ہے اور کبھی ریل کی پٹڑی کے پل کی طرف جسے انگریز بناتا ہے، پھر جب کبھی صورت حال متقاضی ہو تو وہ اس انگریز ہی کی طرف نماز پڑھنے لگتا ہے۔

ہندومت میں گائے نے بہت اونچا مقام پایا اور لمبے زمانے گزرنے کے باوجود وہ اسی مقام پر فائز ہے۔ بمبئی سے شائع ہونے والے ایک رسالہ میں گاندھی نے گائے کی عبادت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ایک مضمون لکھا، اس میں مذکور ہے:

''جب میں کسی گائے کو دیکھتا ہوں تو میں خود کو یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی حیوان دیکھ رہا ہوں کیونکہ میں گائے کی عبادت کرتا ہوں اور میں پورے جہان کے سامنے اس کی عبادت کا دفاع کروں گا میری ماں گائے میری حقیقی ماں سے کئی وجوہ سے افضل ہے، چنانچہ حقیقی ماں ہمیں ایک یا دو سال دودھ پلاتی ہے اور اس کے عوض ہم سے عمر بھر خدمات طلب کرتی ہے، لیکن ہماری ماں گائے ہمیں ہمیشہ دودھ مہیا کرتی ہے اور اس کے عوض معمول کے کھانے کے علاوہ کچھ طلب نہیں کرتی۔ اور جب ہماری حقیقی ماں گائے بیمار ہوتی ہے تو ہمیں کسی قابل ذکر چیز کا خسارہ نہیں ہوتا اور جب حقیقی ماں فوت ہوتی ہے تو اس کا جنازہ ہمیں لمبے چوڑے اخراجات کا مکلّف بناتا ہے جبکہ ہماری ماں گائے جب فوت ہوتی ہے تو ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں پہنچاتی تھی، کیونکہ ہم اس کی ہر چیز حتی کہ ہڈی، چمڑے اور سینگوں سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہندو دھرم کے مراحل

① (ہندوؤں کی مقدس کتاب) وید کی تدوین سے قبل کا مرحلہ

وید سنسکرتی لفظ ہے جس کا معنی علم و حکمت ہے، اس مرحلہ میں ابتدائی افکار اور فطرتی قوتوں کی عبادت پھیل رہی تھی، خواہ اسے آریوں نے اپنے ہاں سے گھڑ لیا ہو یا انہی کی طرح ہندوستان کی

طرف ہجرت کرنے والے تورانیوں نے، یا وہ [عبادت] ہندی ماحول سے پیدا ہونے والی ہو، بعض محققین اس مرحلہ کی ابتدا کی تحدید پندرھویں صدی قبل المیلاد سے کرتے ہیں۔

② وید کی تدوین اور دین کے کارندوں، یعنی برہمنوں کے ہاتھوں اس کی تشریح

وید کی تشریح کو "برہمنات" کا نام دیا گیا یہ مرحلہ آٹھویں صدی قبل المیلاد سے اس وقت شروع ہوا جب اس زمانہ میں اہل فکر کی وہ جماعت ظاہر ہوئی جس نے دینی امور کا اہتمام اور اپنے عقائد میں غور وخوض کیا، چنانچہ انھوں نے ان امور کی تنظیم وتدوین کی ضرورت محسوس کی، اس غور وخوض کے نتیجہ میں ان بعض عقائد کے بارے میں متضاد آراء پیدا ہوئیں جو انہیں ورثہ میں ملے تھے، انھوں نے ایک نیا مذہب بنایا جس پر برہمیت کے نام کا اطلاق کیا گیا۔

③ وید کی تلخیص کا مرحلہ

ان مقدس کتب میں جن کا نام "اوپنشد" ہے اس مرحلہ کی ابتدا چھٹی صدی قبل المیلاد سے ہوتی ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب

سابقہ بحث میں ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب کا نام "وید" ہے اس کے مدوّن کا نام بالیقین معلوم نہیں اور یہ چار کتب کا مجموعہ ہے:

① رِگ وید: یہ چاروں میں سے زیادہ مشہور ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا تعلق تین ہزار سال قبل المسیح سے ہے، یہ 117 دینی گیتوں، بھجنوں پر مشتمل ہے، جن کے ذریعے ہندو اپنے معبودوں کے سامنے انکساری اور عاجزی کرتے ہیں، ہندو ان میں سے بعض بھجن اب تک گاتے ہیں اور اپنی نمازوں اور نکاح کی محفلوں میں گا کر پڑھتے ہیں۔

② یجر وید: یہ نثری عبارتیں ہیں جنھیں دین دار لوگ چڑھاوے چڑھانے کے وقت گا کر پڑھتے ہیں۔

③ سام وید: یہ وہ بعض گیت / بھجن ہیں جنھیں وہ اپنی نمازوں اور دعا کے وقت گاتے ہیں۔

④ اتھر وید: یہ دم اور جادو کے عملیات ہیں۔ اسی طرح اس میں ہندی، زندگی کی تصویر کشی بھی ہے۔ اتھر ویداس زندگی کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پر ہے اور دنیا شیطانوں اور جنوں سے بھری ہوئی ہے۔

اسی طرح اتھر ویدا اپنے معبودوں کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے کہ انھوں نے خیر و بھلائی سے اپنے ہاتھ روک لیے ہیں اور وہ شر کو دور نہیں کر رہے اور لوگ خود اپنی حفاظت کے لیے جادو اور جھاڑ پھونک کی طرف مجبور ہو گئے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں معبود

ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ ہندو بھی ہر چیز کو پوجنے لگتے ہیں اور معبودوں کی ان کے ہاں ایک عجیب کثرت ہے، چنانچہ درج ذیل معبودان کی مقدس کتب میں مذکورہ معبودان میں سے ہیں: (وارونا) آسمان کا معبود (اندرا) اس گرج کا معبود جو بارشیں لاتی ہے (اگنی) آگ کا معبود (اوشا) صبح کا معبود (روڈرا) آندھیوں کا معبود (بارجنیا) نہروں کا معبود (سوریہ) سورج۔

ہندو جب اپنے کسی معبود کو پکارتے ہیں تو باقی معبودوں کو بھلا دیتے ہیں اسے بہترین سا نام دیتے ہیں اور اسے رب الارباب اور [اله الآلهة] ''معبودوں کا معبود'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ اوصاف کچھ معبودوں کو چھوڑ کر کسی ایک کے لیے خاص کر دیے تو وہی اکیلا ''رب الارباب'' ہو گیا اور اس کے علاوہ یہ وصف کسی اور پر نہیں بولا جاتا۔

آٹھویں صدی قبل المسیح میں اس دین کی تنظیم کے وقت دین دار لوگوں نے معبودوں کو متحد کرنے کے بارہ میں سوچ و بچار کی، چنانچہ انھوں نے اپنے معبودوں کو ایک معبود میں جمع کر لیا اس کی تین اصلیں ہیں، اور اس پر تین ناموں کا اطلاق کیا، چنانچہ اس لحاظ سے کہ وہ دنیا کا موجد ہے، اس کا نام ''برہم'' ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ دنیا کا محافظ ہے ''فشنو'' کہلاتا ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ دنیا کو تباہ کرنے والا ہے ''سیفا'' کہلاتا ہے۔

ہندوؤں کی بعض مقدس کتب میں مذکور ہے کہ ایک کاہن تینوں معبودوں سے مخاطب ہوا اور کہا تم میں سے کون اللہ برحق ہے؟ تو سب نے جواب دیا: اے کاہن ہم تینوں کے درمیان معمولی فرق بھی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ایک معبود اپنے کاموں، یعنی پیدائش، حفاظت اور تباہی و بربادی کی بنا پر تین شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ حقیقت میں ایک ہی ہے پس جو شخص تینوں میں سے کسی ایک کی عبادت کرتا ہے تو اس نے گویا ان سب کی یا ایک اعلیٰ کی عبادت کی۔

عیسائیت کی تحریف پر بحث کے دوران میں یہ اشارہ کر آیا ہوں[1] کہ پولس (شاؤل یہودی) نے عقیدہ تثلیث ہندوؤں کے دین سے اخذ کیا تھا۔

ہندوؤں کے بعض عقائد

① قانون جزا: ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ملنا ضروری ہے اور یہ بدلہ اسی زندگی میں ہوتا ہے اسی قانون جزا و سزا کا نام وہ ''کارما'' رکھتے ہیں۔

② تناسخ ارواح: روحوں کا منتقل ہوتے رہنا: ہندوؤں نے دیکھا کہ بسا اوقات مذکورہ بدلہ [بظاہر] نہیں ملتا، چنانچہ بعض اوقات ظالم اپنے ظلم کا بدلہ پائے بغیر فوت ہو جاتا ہے اور نیکوکار اپنے احسان کا اجر پائے بغیر مر جاتا ہے تو اس صورت حال نے انہیں تناسخ ارواح [کے عقیدے] کا قائل کر دیا۔ تاکہ موجودہ زندگی میں جزا و سزا نہ ملنے کی صورت میں اسی زمین پر اسے اگلی زندگی مل جائے۔

تناسخ ارواح کا معنی ہے کہ جب روح ایک جاندار کے جسم سے نکل جاتی ہے اور اس کے ذمے قرض ہوں یا اس کی نیکیاں ہوں تو یہ روح واپس آجاتی ہے اور ایک نیا جسم اختیار کر لیتی ہے اس طرح اس کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ اس عمل کے نتیجہ کے طور پر جو اس نے اپنے دور میں آگے بھیجا تھا وہ نیک بخت یا بد بخت ہو جاتی ہے یہی نئی زندگی اس کی جنت یا جہنم ہوتی ہے۔

---

① دیکھیے ص:59.

تناسخ ارواح پر بعض اوقات تکرار المولد، یعنی بار بار پیدائش یا تجوال روح، یعنی روح کے گھومنے پھرنے کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں[1] کہ روح اپنے نئے جسم میں وہ سب باتیں بھول جاتی ہے جو پچھلے جسم میں اسے پیش آئی تھیں۔

③ **خواہشات کی غلامی سے آزادی اور برہم سے اتحاد واتصال:** ہندو عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنم بار بار ہوتا رہتا ہے اور روحیں بدلتی رہتی ہیں حتی کہ میلانات وخواہشات موقوف ہو جاتی ہیں، اور انسان اپنے جسم پر غلبہ پالیتا ہے اور اس کے میلانات وخواہشات ختم ہو جاتے ہیں، اس کے ہاں خیر وشر کا فرق معدوم ہو جاتا ہے جب یہ صورت حال مکمل ہو جائے تو وہ بار بار کے جنم سے نجات پا جاتا ہے اور برہم کے ساتھ جا ملتا ہے، چنانچہ زندگی کا اعلیٰ مقصد خواہشات کی غلامی سے آزادی حواسِ [خمسہ] کی حقیقت کا اختتام اور برہم سے اتحاد واتصال ہے۔

قوانین مَنو[2]

یہ قوانین تیسری صدی ق۔م کے آخر اور دوسری صدی ق۔م کے شروع میں وید کی شرح کے طور پر ظاہر ہوئے ان قوانین نے ہندوؤں کی زندگی کو منظم کر دیا ان کے دین کی بنیادی باتوں کے پختہ ہونے میں ان کا بڑا دخل ہے۔

ان قوانین میں مذکور ہے:

''یقیناً جو آدمی اپنے نفس پر غالب آ گیا تو وہ اپنے ان حواس پر غالب آ گیا جو اسے شر کی طرف لے جاتے ہیں نفس تو برائی پر اکساتا ہی ہے اور وہ کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ اپنی خواہش کو پا لینے

---

① یہاں مصنف محترم نے اس بات کو ان کے عقیدہ کے طور پر لکھا ہے جو ان کی فراخدلی ہے ورنہ یہ عقیدہ نہیں یہ تو ایک بہانہ اور اس اعتراض سے بچنے کا شاخسانہ ہے کہ اگر تناسخ برحق ہے تو کوئی بتائے کہ اس سے قبل وہ کون سی جون وزندگی میں تھا۔

② بفتح المیم وضم النون المخففۃ یعنی ہندوؤں کے مذہبی قانون دھرم شاستر کا مصنف (فیروز اللغات اُردو صفحہ 657)

کے بعداس کی حرص مزید بڑھ جاتی ہے، یقیناً جسے ہر چیز میسر آئی اور جو اپنے ہاتھ میں بھی موجود ہر چیز سے کنارہ کش ہو گیا تو یہ [دوسرا] اس [پہلے] سے بہتر ہے۔''

''طالب علم پر لازم ہے کہ وہ میٹھی چیزوں، عمدہ خوشبوؤں اور عورتوں سے کنارہ کش رہے ایسے ہی اس پر واجب ہے کہ جسم پر ایسی کوئی چیز نہ ملے جس کی خوشبو ہو، نہ سرمہ ڈالے نہ جوتا پہنے، نہ چھتری کا سایہ لے، اس پر لازم ہے کہ اپنی روزی کا اہتمام نہ کرے بلکہ اپنی روزی بھیک مانگ کر حاصل کرے۔''

اور جب تو بڑھاپے میں داخل ہو تو لازم ہے کہ گھریلو زندگی سے علیحدہ ہو جائے اور جنگل میں رہائش اختیار کر لے، تیرے لیے اپنے بالوں، داڑھی اور مونچھوں کا کترنا اور ناخن تراشنا بھی جائز نہیں۔

''اور تیرا کھانا ان چیزوں سے ہونا چاہیے جو زمین سے اگتی ہیں یا درختوں پر لگتی ہیں۔ تو خود کوئی پھل نہ توڑ بلکہ درخت سے گرا ہوا پھل کھا، روزہ رکھنا لازم کر لے، ایک دن روزہ رکھا کر اور ایک دن افطار کر لیا کر، گوشت اور شراب سے بچ۔ اپنے نفس کو موسم کی تبدیلیوں کا عادی بنا، چنانچہ جلا دینے والی دھوپ میں بیٹھ، بارش کے دنوں میں آسمان کے نیچے رہ، سردی میں گیلی چادر پہن۔''

''جسمانی راحت کے بارہ میں نہ سوچ، تمام لذتوں سے اجتناب کر اپنی بیوی کے قریب نہ جا، زمین پر سو اور جس جگہ تو رہتا ہے اس سے مانوس نہ ہو۔''

''جب تو چلے تو بچتے ہوئے چل، مبادا کسی ہڈی یا بال کو بھلا ندوے یا کسی جان کو روند ڈالے، جب تو پانی پیے تو اس بات سے بچ کہ تو کوئی جان نگل جائے۔''

''لذیذ کی وجہ سے خوش نہ ہو اور گھٹیا پر غمگین نہ ہو۔''

قوانین منومخلوق کی ابتدا اور ہندوستان میں طبقات کے نظام کو ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شروع شروع میں جہان اندھیرے کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اس کا ادراک ممکن نہ تھا [اشیاء کے آپس میں] فرق کرنے والی ہر صفت سے خالی تھا اس کا تصور عقل و وحی کے ذریعے ہی ممکن تھا گویا وہ گہری نیند میں ہے، پھر جب اس باہم بے ربطی کی مدت گزر گئی تو اپنی ذات کے

ساتھ موجود اس مولیٰ نے جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اس جہاں کو نظر آنے والا بنا دیا۔

اس کے پانچ عناصر [1] اور اس کی دوسری بنیادوں کو بنایا جہاں کو نور اقدس سے چمکتا ہوا اور سخت اندھیرے کو ختم کرنے والا بنایا۔

پھر اس برہم کی حکمت۔ جسے عقل کے سوا کوئی چیز نہیں پا سکتی۔ نے اپنے مادہ سے مختلف مخلوقات کو ظاہر کرنے کا تقاضا کیا، چنانچہ پہلے اس نے پانی کو پیدا کیا اور اس میں ایک چھوٹا سا کیڑا رکھا، پھر یہ چھوٹا کیڑا سونے کی چمک جیسا چمکدار انڈا بن گیا اور اس کے اندر برہم کی صورت پر جو تمام مخلوق کا جداعلیٰ ہے سخت ذات زندہ رہی، برہم کے اس انڈے کے اندر ایک برہمی سال، جو لاکھوں انسانی سالوں کے برابر ہے، رہنے کے بعد مولیٰ نے محض اپنے ارادے سے اس انڈے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پھر ان دونوں نے زمین وآسمان اور [باقی] کائنات بنائی؟ ہر بننے والی چیز کا نام متعین کیا بہت سے معبود پیدا کیے اور جنوں کی ایک نظر نہ آنے والی جماعت پیدا کی، زمانہ کو بمع اس کی اقسام پیدا کیا، پھر ستاروں، دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں کو پیدا کیا۔"

پھر برہمن کو اپنے منہ، کھتری کو اپنے بازو، ویش کو اپنی ران اور اچھوت کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا، پھر ان طبقات میں سے ہر طبقہ کا مقام اسی انداز پر ٹھہرا۔"

پھر "قوانین منو" نے ان طبقات میں سے ہر طبقہ کے حقوق وفرائض بیان کرتے ہوئے کہا:

"ہندو معاشرہ کے ان طبقات میں سے ہر طبقہ کے اپنے اپنے حقوق وفرائض ہیں، چنانچہ برہمن کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم وتعلم اور دین کے بارہ میں لوگوں کی راہنمائی کرے پس وہی معلم، کاہن اور جج ہوگا۔"

"رہا کھتری تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم حاصل کرے، چڑھاوے چڑھائے، خیرات میں مال خرچ کرے، اپنے وطن اور عوام کے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائے۔"

---

[1] دنیا کے محققین کے ہاں عناصرِ دنیا صرف چار ہیں، یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا لیکن ہندو اس بنیادی بات میں بھی دنیا سے الگ تھلگ ہیں کیونکہ ان کے ہاں عناصرِ دنیا پانچ ہیں اور پانچواں عنصر وہ ہے جسے دنیا والے آسمان کہتے ہیں۔ دیکھیے کتاب الہند للبیرونی، مترجم سید اصغر علی: 22.

''رہے ویش تو ان کی ذمہ داری ہے کہ کاشتکاری اور تجارت کریں، مال جمع کریں اور دینی وعلمی اداروں پر خرچ کریں۔''

''رہے اچھوت تو مذکورہ تینوں معزز طبقات کی خدمت ان کی ذمہ داری ہے۔''

قوانین منو نے ہر طبقہ کی ذمہ داریوں کو منظم کیا، چنانچہ برہمنوں کے بارہ میں ان میں لکھا ہے:

''براہمن وید کی کتب اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے کا اہتمام کریں گے اور ان چڑھاووں کے چڑھانے میں برکت کی دعا کریں گے جو لوگوں سے انہی کے واسطے سے قبول ہوتے ہیں۔ اسی طرح برہمن کی ذمہ داری ہے کہ وہ دینی اور شہری قوانین کے خزانہ [کی کتب] کی حفاظت کرے۔''

''اور جب برہمن پیدا ہوگا تو وہ دنیا کی صفوف میں سے پہلی صف میں مقام پائے گا، اور برہمن صرف اپنے نسب کی بنا پر تمام معبودوں کے ہاں قابل احترام ہے، اس کے احکام جہان میں حجت ہیں اور خود کتاب مقدس اسے یہ امتیاز بخشتی ہے۔''

''جہاں کی ہر چیز برہمن کی ملکیت ہے اور جہاں کی ہر چیز میں اس کا حق ہے، اور جب برہمن محتاج ہو تو اسے حق ہے کہ وہ اس اچھوت کے مال کا مالک بن بیٹھے جو اس کا غلام ہے بغیر اس کے کہ بادشاہ اسے اس کے اس فعل پر کوئی سزا دے، کیونکہ غلام اور جس کا وہ مالک ہے سب کچھ سید و آقا کے لیے ہے۔''

''برہمن کو کوئی گناہ داغدار نہیں کرتا، اگرچہ وہ [باقی] سب طبقوں کو قتل کر دے، بادشاہ کو کتاب مقدس کے عالم کسی برہمن سے ٹیکس وصول نہیں کرنا چاہیے اگرچہ بادشاہ محتاج ہو کر مر جائے اور نہ ہی کسی برہمن کو اس کی حکومت میں بھوک پر صبر کرنا چاہیے۔''

''برہمن کے قتل سے بادشاہ کو بچنا چاہیے اگرچہ وہ تمام جرائم کا ارتکاب کرے لیکن وہ جب مناسب خیال کرے اسے ملک بدر کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے سب اموال اس کے لیے چھوڑ دے اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف پہنچائے، بادشاہ کسی بھی کام کا فیصلہ برہمنوں سے مشورہ کیے بغیر

نہ کرے۔''

رہے کھتری تو قوانین منوان کے بارہ میں کہتے ہیں:

''بے شک وہ لوگ جن کی عقلوں نے کتب وید وغیرہ سے غذا پائی ہے یہی لوگ فوجوں کے جرنیل بادشاہ جج یا لوگوں پر حاکم بننے کے اہل ہیں، بادشاہ کھتریوں میں سے مقرر کیا جائے گا اور لشکروں کا اپنے جرنیل کی تعظیم کرنا یہ بادشاہ کا کھتریوں پر حق ہے۔''

''لازم ہے کہ بادشاہ کا مذاق نہ اڑایا جائے اگر چہ وہ بچہ ہو وہ [مذاق] یہ ہے کہ کہا جائے وہ ایک انسان ہے، کیونکہ الوہیت بادشاہ کی بشری صورت [کے جسم] میں ظاہر ہوتی ہے۔''

''کھتری کو فوجی امور کے علاوہ کسی کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیے، کھتری امن و صلح کے وقت بھی فوجی ہی رہے گا، کھتریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلی آواز پر جمع ہو جائیں اور ان کے لیے سامانِ حرب اور اسلحہ کی تیاری بادشاہ کی ذمہ داری ہے۔

''بادشاہ کی آمدنیوں اور ذرائع میں برکت نہیں دی جاتی اگر چہ وہ خزانے حاصل کر لے اور جائیدادیں بنا لے مگر جب وہ ضعیف کا دوست بن جائے۔''

رہی ویش کی ذمہ داریاں تو اس بارہ میں قوانین منو کہتے ہیں:

''ویش پر واجب ہے کہ اپنے گروہ میں سے کسی عورت سے نکاح کرے اور اپنی ذمہ داری کو محنت و کوشش سے سرانجام دے اور ہمیشہ حیوان پالتا رہے۔ ان کے تاجروں کو تجارت کے اصول اور سود کے قوانین معلوم ہونے چاہئیں۔ اور ویش کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ بیج کیسے بوئے جاتے ہیں، گھٹیا اور اعلیٰ زمین میں فرق کر سکے، ماپ تول کے نظام کو اچھی طرح سمجھ سکے، وہ نوکروں کی مزدوری لوگوں کی بولیوں اور ہر وہ چیز جس سے اسلحہ کی حفاظت ہو اور جس چیز کا خرید و فروخت سے تعلق ہو ان سب کا علم رکھے۔''

رہے طبقہ اچھوت کے حقوق و فرائض تو اس بارہ میں منو کہتا ہے:

''اچھوت پر لازم ہے کہ وہ گھر کے سردار کتب مقدسہ کے علماء اور اچھے کاموں میں مشہور

برہمنوں کے احکام کو اچھی طرح بجالائے تو پھر اس کے لیے موت کے بعد اونچے جنم کے ذریعے سعادت مندی کی امید کی جاسکتی ہے۔ اچھوت کے لیے فالتو دولتیں جمع کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ اس پر قادر لوگوں میں سے ہو کیونکہ جب مال جمع کرے گا تو اپنی اس بے شرمی سے برہمنوں کو اذیت پہنچائے گا۔''

''گھٹیا طبقہ کے اس فرد کو جو اپنے ذہن میں اپنے سے اونچے طبقے کے کسی فرد کے برابر ہونے کی خواہش کرتا ہے تو اسے جلاوطن کرنا اور اس کے سرین کے نیچے داغ دینا لازم ہے۔''

''اور جب وہ اپنے سے اونچے طبقہ کے آدمی پر اپنا ہاتھ یا لاٹھی اٹھائے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور جب وہ اسے اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار دے تو اس کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور جب وہ اس کے نام یا اس کی جماعت کے نام سے کسی تعظیمی لقب کے بغیر اسے آواز دے تو تین دھاریوں والا گرم کیا ہوا خنجر اس کے منہ میں ڈالا جائے جس کی لمبائی دس انگشت ہو اور بادشاہ اس کے منہ اور کانوں میں گرم تیل ڈالنے کا حکم دے گا جب وہ بے شرمی کے اس مقام تک جا پہنچے کہ وہ برہمنوں کے سامنے ان کی ذمہ داریوں کے معاملات میں کسی رائے کا اظہار کرے۔''

بدھ مت

بدھ مت ایک آدمی سے منسوب [دین] ہے جو اصلاً ہندو تھا، اسے بدھ کا لقب دیا گیا یہ آدمی اس قبیلہ تسا کیہ کی طرف منسوب ہے جس کی دریائے گنگا کے شمال میں واقع کوہ ہمالیہ اور شہر بنارس کے درمیان والے خطہ پر حکمرانی تھی۔ اس کا باپ جسے سدوانہ کہا جاتا تھا اس قبیلہ کے معزز ترین افراد میں سے تھا، لمبی چوڑی زمین اور بلند و بالا محلات کا مالک تھا اور عظیم جاہ و عزت کا لطف اٹھا رہا تھا، یہ معزز آدمی ایک معززہ عورت سے نکاح کیے ہوئے تھا جس کا نام ''مایا'' تھا تو یہ بدھ اس نکاح کا پہلا ثمرہ تھا۔

چھٹی صدی ق م میں اس کی پیدائش ہوئی اسے ''سدھاتا'' کا نام دیا گیا، ولادت کے پہلے ہفتے میں ہی اس کی والدہ فوت ہوگئی تو اس کی خالہ ''مہاباتی'' نے اسے گود لے لیا، پھر یہ بچہ حُکام اور شہزادوں کی طرح پلا اور جوان ہوا۔

''سدھاتا'' نے ایک حاکم کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس کا نام ''یاسودھرا'' تھا، جلد ہی اسے اس سے ایک بچہ عطا ہوا جس کا نام اس نے ''راھولا'' رکھا۔

اس وقت سدھاتا کوئی انتیس برس کا ہوگا جب اس کے دماغ میں مختلف خیالات آنے لگے اور ایسے متضاد افکار پیدا ہونے لگے جو ایک لحاظ سے اس کی اس ہندوانہ زندگی کی آواز بازگشت تھے، جس میں وہ رہتا تھا، جبکہ دوسری طرف سے یہ اس ناز و نعمت کی زندگی کی آواز بازگشت تھے جس میں وہ پل رہا تھا۔

جس رات اس کا بیٹا راھولا پیدا ہوا تھا تو اس بچے کی آمد پر محل خوشیوں اور مسرتوں سے بھرا ہوا تھا لیکن سدھاتا نے عزم کر لیا کہ وہ ناز و نعمت کی زندگی چھوڑ کر زہد اور تنگ دستی کی زندگی شروع

کرے گا شاید کہ وہ [اس طرح] اس جہان کے راز کی معرفت تک پہنچ جائے۔

اور جب [رات کو] ناچ گانے کے بعد محل میں سکون ہوا تو سدھاتا نے اپنی بیوی اور بچے پر الوداعی نگاہ ڈالی اور محل سے کھسک گیا، صبح ہونے تک وہ اپنے خاندان کی زمین سے نکل گیا تھا، پھر وہ گھوڑے سے اترا اپنی تلوار سے اپنی لٹیں کاٹ ڈالیں خود پہنا ہوا زیور اتار کر اپنی تلوار کے ساتھ اپنے گھوڑے کی پشت پر رکھ دیا اور اسے اپنے گھر کی طرف روانہ کر دیا۔

پھر وہ برابر پیدل چلتا رہا حتی کہ سفر میں اس کی ملاقات دو راہبوں سے ہوگئی تو وہ ایک زمانہ تک ان کے ساتھ رہا [اس امید پر] شاید کہ وہ ان کے واسطے سے جہان کے راز معلوم کر لے اور جب ان دونوں سے اپنا راز معلوم کرنے میں ناکام رہا تو انہیں چھوڑ دیا اور عزم کر لیا کہ وہ بذات خود معرفت کے حصول اور جہان کے راز معلوم کرنے کے لیے کوشش کرے گا اس نے رہبانیت کی زندگی شروع کر دی تو اس وقت سے اس کا نام ''گوتم'' یعنی راھب و درویش پڑ گیا۔

اس مرحلہ میں اس نے اپنے کپڑے اتار دیے اور چیتھڑوں یا پتوں سے اپنی شرمگاہ ڈھانپنے لگا، وہ اپنے آپ کو کانٹوں اور کنکریوں کے درمیان پھینک دیتا اس نے بہت سی نفسیاتی عبادتیں اور ریاضتیں کیں حتی کہ اس کا جسم کمزور ہو گیا۔

اس مرحلہ میں پانچ درویش اس کے ساتھ رہے جنھوں نے زہد اور تنگ گزران کی اعلیٰ مثال اس میں دیکھی وہ سات سال اس حالت میں رہا۔ اپنی کسی خواہش کو پایا نہ کسی مقصد تک پہنچا، اس نے عزم کر لیا کہ وہ کھانا پینا شروع کر دے گا اور اس نے اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹنے کا بھی پختہ ارادہ کر لیا اس پر اس کے وہ درویش ساتھی غمگین ہو گئے اور افسوس کرتے ہوئے اسے چھوڑ گئے۔

گھر کی طرف واپسی کے دوران وہ اوریلا جنگل میں ایک درخت کے سائے میں اپنا کھانا کھانے کے لیے آیا [اس نے کھانا تو نہ کھایا] لیکن اسے اس سائے میں ایک نفسیاتی سعادت سی محسوس ہوئی اسی دوران اچانک اسے خود اپنے اندر سے ایک غیبی آواز سنائی دی کہ وہ آج اپنے نفس سے مجاہدہ کرے حتی کہ جہان کا راز معلوم کر لے۔

گوتم کہتا ہے:

''میں اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اپنی عقل اور جسم سے کہا: سنو! اس جگہ کو نہ چھوڑنا جب تک کہ میں اس حق کو نہ پالوں، جلد خشک ہو جائے رگیں کٹ جائیں ہڈیاں [گوشت سے] الگ ہو جائیں اور خون خشک ہو جائے میں اس جگہ سے نہ اٹھوں گا حتی کہ اس حق کو نہ پالوں جس کا میں متلاشی ہوں، پھر وہ مجھے نجات دے دے۔''

اس دن سے اس پر ''بدھ'' کے نام کا اطلاق کیا جانے لگا جس کا معنی ہے بیدار و ہوشیار اور روشنی والا عالم۔ اس طرح وہ درخت جس کے سائے میں بدھ بیٹھا تھا ''شجرۂ علم'' یا ''شجرہ مقدسہ'' کہلایا۔

رہا اوریلا کا جنگل تو اس پر اس وقت سے ''بودکیہ'' کا نام بولا جانے لگا، بدھ نے اپنا نیا مذہب پھیلانے کا عزم کرلیا اس لیے اس نے بودکیہ کا جنگل چھوڑ دیا اور بنارس شہر میں آ گیا جہاں اس کے پانچ درویش ساتھی رہ رہے تھے، اس نے انہیں مذہب کی دعوت دی تو انھوں نے اس کی بات مان لی، پھر وہ اپنا نظریہ پھیلانے لگا حتی کہ اس کے پاس ساٹھ نوجوان جمع ہو گئے جنھیں اس نے اپنی بنیادی باتیں سکھائیں، اپنی دعوت سمجھائی اور انہیں اس کی نشر و اشاعت کا کہا، پھر انہیں چھوڑ [کر چلا] گیا تاکہ اپنے خاندان کو دیکھے اور اپنے اہل و عیال سے ملے۔

جب خاندان میں پہنچا تو انھوں نے اسے اس کے نظریہ سے روکنے کی کوشش کی اور اسے بتایا یہ خیالات و توہمات ہیں جو اس کے سامنے آ گئے ہیں، مگر اس نے ان کی نصیحت قبول نہ کی اور اپنے پیروکاروں کی طرف لوٹ گیا۔

پھر اس کی دعوت عام ہو گئی اور ''نظام'' یا ''عجلة الشریعة''[1] کے نام سے پہچانی جانے لگی، بدھ نے اپنے بہترین پیروکاروں کو ملک ہند کے مختلف علاقوں میں اپنی دعوت پھیلانے کے لیے بھیجنے کا ارادہ کیا، وہ اپنے نظریہ کے مبلغ کو اس وقت تک نہیں بھیجتا تھا جب تک کہ وہ اس کا ایک نفسیاتی امتحان نہ کرلیتا تاکہ وہ اس کے نفس میں اس نظریہ کی پختگی اور بشارت دینے کے کام کو انجام

[1] یعنی شریعت کی بچھیا یا شریعت کا پہیہ۔

دینے کی صلاحیت کی مقدار معلوم کر لے۔

اس امتحان کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے ایک مبلغ جس کا نام بورنا تھا ایک ایسے قبیلے کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا جو بد خلقی میں معروف تھا اس کا نام ''سرونا پرانتا'' تھا، چنانچہ بدھ نے اس سے کہا:

اس قبیلہ کے لوگ بہت سنگدل اور بہت جلد آپے سے باہر ہو جانے والے ہیں جب نازیبا اور سخت الفاظ کے ساتھ پیش آئیں، پھر وہ غضبناک ہو جائیں اور تجھے گالیاں بکیں تو تو کیا کرے گا؟ بورنا نے جواب دیا: میں کہوں گا یقیناً یہ اچھے لوگ ہیں نرم طبیعت ہیں کیونکہ انھوں نے مجھے ہاتھوں سے نہیں مارا اور نہ مجھ پر پتھر برسائے۔

بدھ نے کہا: اگر تجھے ماریں اور پتھر برسائیں تو پھر کیا کرے گا؟ بورنا نے کہا: میں کہوں گا یہ اچھے لوگ ہیں کیونکہ انھوں نے مجھے لاٹھیوں اور تلواروں سے نہیں مارا۔

بدھ نے کہا: اگر وہ تجھے لاٹھیوں اور تلواروں سے ماریں؟ بورنا نے جواب دیا: میں کہوں گا یہ اچھے اور نرم لوگ ہیں کیونکہ انھوں نے مجھے زندگی سے کلیۃً محروم نہیں کیا۔

بدھ نے کہا: اگر وہ تجھے زندگی سے بھی محروم کر دیں؟ بورنا بولا: میں کہوں گا یہ اچھے اور نرم لوگ ہیں کہ انھوں نے میری روح کو اس بڑے جسم کی قید سے کسی بڑے درد کے بغیر خلاصی دلا دی۔

بدھ نے کہا بہت خوب، بورنا! جو تجھے صبر و عزیمت دی گئی ہے اس کی بنا پر تو ''سرونا برانتا'' قبیلہ کے ملک میں رہ سکتا ہے تو ان کی طرف جا اور جس طرح تو نجات پا گیا ہے، انہیں بھی نجات دے اور جس طرح تو ساحل تک پہنچ گیا ہے انہیں بھی ساتھ لے کر ساحل تک پہنچا دے اور جس طرح تو نے تسلی کر لی ہے انہیں بھی تسلی سے ہم کنار کر۔

پھر بورنا وہاں گیا تو اس قبیلہ کے سب افراد بدھ مت میں داخل ہو گئے۔ بدھ ایک علاقے میں صرف ایک ہی مبلغ بھیجتا تھا۔

بدھ اپنی دعوت پھیلاتا رہا تا آنکہ وہ اسی سال کا ہو گیا تو اسے موت آ گئی پھر اس کی لاش جلا

دی گئی اور اس کے مریدوں نے اس کی راکھ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ ان خطوں میں سے ایک ایک خطے کی طرف بھیج دیا جو اس کے مرید بن گئے تھے پھر اس راکھ پر بدھ متوں کے بڑے بڑے عبادت خانے تعمیر کیے گئے۔

مہاتما بدھ کے نظریات

اجمالی طور پر بدھ متوں کے نظریات مختلف نہیں، چنانچہ یہ بھی [ہندوؤں کی طرح] کارما [قانون جزا و سزا] اور تناسخ ارواح کے قائل ہیں، بار بار کی پیدائش اور جزا و سزا سے نجات پانے کی خاطر برائی اور بھلائی سے رکتے اور خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ خیرات مانگنا بدھوؤں کی امتیازی علامت ہے۔لیکن خود بدھ عقائد کا قائل نہیں اور نہ وہ فلسفی مذاہب کی بنیاد رکھتا ہے بلکہ وہ زور دے کر کہتا ہے:

"بسا اوقات عقائد معرفت اور روشنی تک پہنچنے میں حائل ہو جاتے ہیں۔"

مہاتما بدھ کے ہاں الوہیت

شروع شروع میں بدھ معبود کے بارہ میں گفتگو سے کتراتا تھا اور اپنے ساتھیوں اور ملاقاتیوں کو الوہیت کے بارے میں گفتگو سے منع کرتا تھا۔ایک دفعہ اس کے ایک مرید نے پوچھا کیا ذات [الٰہی] موجود ہے؟ بدھ خاموش رہا پھر دوسری مرتبہ مرید نے کہا: کیا ذات [الٰہی] موجود نہیں؟ پھر اس نے تیسری مرتبہ پوچھا: کیا یہ جہان دائمی ہے یا غیر دائمی؟ تو بدھ نے مرید سے کہا: کیا میں نے تجھے کہا تھا کہ میرے پاس آ، میں تجھے ذات اور جہان کے بارے میں تعلیم دوں؟ نہیں میں نے یہ نہیں کہا تھا، میرے پیروکارو! جس طرح لوگ سوچتے ہیں اس طرح نہ سوچو، بلکہ اس طرح سوچو:

کہ "یہ درد ہے" "یہ درد کی بنیاد ہے" "یہ درد کو ختم کرتا ہے" اور "یہ درد ختم کرنے کا طریقہ ہے"

بدھ کہا کرتا تھا کہ انسان کی نجات یقیناً خود اسی پر موقوف ہے نہ کہ معبود پر، اور وہ سمجھتا تھا کہ انسان ہی اپنے نفس کے انجام کو بنانے والا ہے، وہ اپنے پیروکاروں کو وصیت کرتے ہوئے کہتا

ہے: ''تم اپنے نفسوں کے لیے مستقل جزیرے اور رغبت و محبت کی غاریں بن جاؤ کسی خارجی پناہ گاہ کو تھامنے کی کوشش نہ کرو اور نہ اغیار کی حمایت و پناہ طلب کرو۔''

پھر مہاتما بدھ الوہیت کے قائلین سے جنگ کرنے لگا، چنانچہ وہ اپنے ایک خطبہ میں کھڑے ہو کر اللہ کے وجود کے قائلین سے مذاق کرتا ہے اس کے اسی خطبہ میں ہے:

''یقیناً وہ شیوخ جو اللہ تعالیٰ کے بارہ میں باتیں کرتے ہیں انھوں نے اسے اپنے سامنے نہیں دیکھا تو وہ اس عاشق کی طرح ہیں جو غم [عشق] میں پگھلا جا رہا ہو اور وہ نہیں جانتا اس کی محبوبہ کون ہے یا اس کی طرح ہے جو سیڑھی بناتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ محل کہاں پایا جاتا ہے۔''

بدھ کے پیروکاروں کی واضح نشانیاں

بدھ مت کے پیروکار کی بدھ کے ہاں سب سے واضح نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے اموال و جائیداد سے دست کش ہو جائے اپنا کاسۂ گدائی اٹھا لے اور بدھوؤں کی جماعت کے ساتھ مل کر سوال کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے اور خیرات مانگنے پر زندہ رہے اسی طرح بے کاری اور سستی بھی بدھ کے پیروکاروں کی واضح نشانی مانی جاتی ہے۔

بدھ نے ہندوؤں کے ہاں رائج نظام طبقات کا بھی مقابلہ کیا وہ کہا کرتا تھا: ''یاد رکھو! جس طرح بڑے دریا سمندر میں بہ جانے کے وقت اپنے ناموں سے محروم ہو جاتے ہیں اسی طرح جب انسان ''نظام'' میں داخل ہو جاتا ہے اور ''شریعت''[1] کو قبول کر لیتا ہے تو چاروں طبقات ختم ہو جاتے ہیں۔

بدھ مت مہاتما بدھ کے بعد

ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ بدھ دینی عقائد سے جنگ کرتا تھا خصوصاً جن کا تعلق معبود سے ہو لیکن بدھ کے بعد بدھ مت نے ترقی کی اور الوہیت کے مسائل اس میں شامل ہو گئے اور وہ خود

---

[1] یہ دونوں اصطلاحی لفظ ہیں جن سے مراد بدھ کی دعوت ہے جیسا کہ صفحہ 94 پر اس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

بھی ہندوؤں کے معبودوں کی طرح ایک معبود بن گیا اور جوں جوں زمانہ یا وطن دور ہوتا گیا بدھ مت بدھ والے مذہب سے دور ہوتا گیا۔ بدھ مت دو قسموں میں تقسیم ہو گیا، بدھ مت قدیم اور بدھ مت جدید۔ اب بدھ مت قدیم تو وہ ہے جس کے ماننے والوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ حالات جو بھی ہوں وہ بدھ کی تعلیمات سے دور نہیں ہوں گے اس پر جنوبی مذہب کا اطلاق ہونے لگا، کیونکہ یہ برما، تھائی لینڈ اور سیلان میں پھیلا اور اس نے اپنی کتب قدیم ہندی زبان — جو بالی زبان ہے — میں تحریر کر لیں۔

رہا بدھ مت جدید تو اس میں نئے نظریات شامل ہو گئے اس نے الوہیت کا بھی اقرار کر لیا اس کا نام شالی مذہب رکھا گیا کیونکہ یہ چین، جاپان، نیپال اور انڈونیشیا میں پھیلا، اس نے اپنی کتب سنسکرت زبان میں لکھ لیں۔

پھر بدھ مت جدید کی ان تہذیبوں کی بنا پر جن کی طرف یہ ان خطوں میں آیا۔ کئی قسمیں ہو گئیں، چنانچہ ان میں سے ایک قسم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس بات کا عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جہان اور اس کی بقا کے اسباب پیدا فرمائے، پھر انہی اسباب پر اکتفا کرتے ہوئے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔

دوسری قسم کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں انسانی کمالات وخوبیاں کسی ایسے انسان پر ڈالتا ہے جو اس کی عبادت کے لیے الگ ہو بیٹھتا ہے اور حیوانی شہوات کو پورا کرنے سے دور رہتا ہے یہ چنا ہوا انسان لوگوں کے اعمال کے مطابق بعض لوگوں پر رضامندی اور بعض پر غیظ وغضب کے اظہار میں اللہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

ایک [تیسری] قسم کا دعوی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی شکلوں میں سے جس شکل میں چاہتا ہے حلول کرتا ہے تاکہ اس کی تکمیل کر کے اسے پاک کر دے۔ جیسے تبت کے علاقہ میں "لاما" ہے۔ اور ان میں سے بعض دعوی کرتے ہیں کہ بدھ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے وہ انسانیت کو نجات دلانے اور اسے غلطیوں سے بچانے کے لیے آیا تھا وہ بدھ کی ماں کو معبودوں کی ماں کا لقب دیتے ہیں۔

تعالیٰ اللہ عما یقولون علوًا کبیرًا

رہے چینی بدھ مت تو انھوں نے بدھ مت سے قبل اپنے پرانے طریقے کے مطابق بدھ مت کے تینتیس (33) معبود مقرر کر لیے۔

دورِ حاضر میں افریقہ اور ایشیا میں بت پرستیاں

افریقہ اور ایشیا میں وحشی خطے اور علاقے بت پرستوں سے بھرے پڑے ہیں، چنانچہ افریقی ممالک نائیجیریا، نیجر، ساحل العاج، داھومی، گھانا اور چاڈ کے بعض بدوی علاقوں میں آگ کے پجاری مجوسی پائے جاتے ہیں یہ لوگ آگ کی عبادت پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض لوگ درختوں، پتھروں، انسانوں اور حیوانوں کی بھی پوجا کرتے ہیں، اسی طرح اس قسم کی عبادتیں [جزیرہ] مالے کے مغرب میں بھی ملتی ہیں ایسے ہی ان وحشیوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان [مذکورہ] معبودوں میں سے کسی ایک معبود پر جم کر نہیں رہتے۔

جیسا کہ سینیگال میں بعض ایسے قبائل بھی پائے جاتے ہیں جو کسی معبود کو نہیں جانتے قبیلہ ''سریر'' انہی قبائل میں سے ہے جو سینیگال کے علاقہ سین میں مقیم ہے، ایسے ہی قبیلہ ''جولا'' جو سینیگال ہی کے جنوبی حصہ میں آباد ہے جو پرتگالی گینیا کے پڑوس میں ہے اور ''کاساماسا'' کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح ایشیا کے جنگلی خطوں میں کئی قسم کی بت پرستیاں پھیلی ہوئی ہیں خصوصاً وسط انڈونیشیا، جاپان اور جنوب مشرقی ایشیا میں موجود بعض جماعتوں میں ان کا دور دورہ ہے۔

اسلام سے خارج کچھ فرقے

اسماعیلیہ

درحقیقت اسماعیلیہ دعوت باطنیہ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے یہ باطنی لوگ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے اور اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے جیسا کہ ان میں سے قرامطہ، خرمیہ، محمرہ، نُصیریہ، درزیہ، قادیانیہ اور بہائیہ مشہور ہو گئے۔ ایسے ہی ان میں سے بعض فرقے کئی ایک ناموں سے مشہور ہیں۔ ذیل میں ہم [فرقہ] باطنیہ کی ابتدا اور اس کے ان ناموں کی وجہ تسمیہ۔ جو اس فرقہ کی فروع پر بولے گئے۔ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

اصل باطنیہ

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ بخشا اور اس کا سائبان ارضِ فارس پر تان دیا تو مجوسیوں اور مزدکیوں کی ایک جماعت ثنویوں کی ایک قوم ملحد فلاسفہ کے ایک گروہ اور کچھ یہودیوں نے ایک ایسے حیلے کا باہم مشورہ کیا جس سے وہ اسلام کے سینہ پر ضرب کاری لگائیں اور اس حیلہ سے مسلمانوں کی اجتماعیت کو توڑنے اور بکھیرنے پر کام کریں۔

[اس مقصد کے لیے] یہ لوگ ایک ایسے مذہب کو اپنانے پر متفق ہوئے جو اپنے اصول فلاسفہ کے اصولوں مزدکیوں کے قواعد اور یہودیوں کے عقائد سے اخذ کرے۔ انھوں نے سمجھا کہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ وہ نبی مکرم ﷺ کے آل بیت کی مدد کی طرف انتساب سے برکت حاصل کریں اور یہ کہ وہ کسی ایسے آدمی کو چنیں جس کے بارہ میں ان کا خیال ہو کہ یہ اہل بیت میں سے ہے اور پوری مخلوق پر اس کی بیعت کرنا واجب ہے اور اس کی اطاعت ان پر فرض ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ اور غلطی سے معصوم ہے، اس کام کو انھوں

نے عام لوگوں کو آہستہ آہستہ اپنے قریب لانے کا ذریعہ بنالیا تا کہ وہ دین سے پار ہو جائیں اور اگر کوئی آدمی قرآن کے ظاہر اور متواتر احادیث پر عمل کرنا چاہے تو اسے بتادیں کہ بیشک ان ظاہری معانی کے کچھ اسرار و رموز ہیں ان کے ظواہر سے دھوکہ کھا جانا احمق کی نشانی ہے اور سمجھدار وہ ہے جو ان ظواہر کو نہ دیکھے بلکہ باطن کی تعبیر میں امام معصوم کی اتباع کرے، چنانچہ یہ باطنی لوگ جیسا کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے ان کا ظاہر شیعیت تھا اور باطن کفر محض۔

اسماء باطنیہ

ان لوگوں پر باطنیہ کا نام اس لیے بولا جاتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین کی نصوص کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جیسا کہ ان پر اسماعیلیہ کا نام بھی بولا جاتا ہے کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسماعیل بن جعفر صادق سے منسوب ہیں حالانکہ علماء نسب کا اجماع ہے کہ اسماعیل اپنے والد کی زندگی ہی میں 145ھ میں فوت ہو گیا اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، لیکن یہ اسماعیلی خیال کرتے ہیں کہ اسماعیل فوت نہیں ہوا اور اس کے والد نے اس کی امامت کی صراحت کی تھی، پھر اس نے عباسی خلیفہ کی سزا سے اسے بچانے کا حیلہ کرتے ہوئے اس کی وفات کی دستاویز لکھی اور مدینہ میں منصور کے گورنر نے اس پر گواہی دی جبکہ اسماعیل چپکے سے شام کے شہر ''سلمیہ''[1] چلا گیا جہاں اس وقت بنی ہاشم کا ایک گروہ مقیم تھا پس اس نے خیال کیا کہ وہ انہی میں سے ہے۔

پھر اسماعیلی سمجھتے ہیں کہ عباسی خلیفہ کو سلمیہ میں اسماعیل کی جگہ کا علم ہو گیا اور اسماعیل کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو سلمیہ چھوڑ کر دمشق چلا گیا، پھر عباسی خلیفہ نے دمشق میں اپنے گورنر کو اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ گورنر اسماعیلیوں میں سے تھا اس لیے اس نے یہ حکم نامہ اسماعیل کو دکھایا تو وہ یہ ملک چھوڑ کر عراق چلا گیا، جہاں 157ھ میں اسے بصرہ میں دیکھا گیا وہ کئی سال [وہاں] رہا اپنے پیروکاروں کے درمیان مختلف ناموں اور صورتوں میں آتا جاتا رہا تا آنکہ 158ھ کو بصرہ میں وفات پا گیا۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ اسے اولاد بھی ملی جن کے نام محمد، علی اور فاطمہ تھے، اس کے بعد اس کا

---

[1] بفتح السین واللام شام کا ایک شہر جو اسماعیلیوں کا ایک مرکز تھا۔ (المنجد: 362)

بیٹا محمد مخفی طور پر امام کے مرتبہ پر فائز ہوا پھر احمد الوفی پھر محمد التقی پھر رضی الدین عبداللہ اور پھر محمد المھدی نے یہ مرتبہ سنبھالا۔

اسماعیلیہ کو سبعیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ امامت کے ادوار سات ہیں اور ساتویں تک پہنچنا آخری دور ہے۔ اور قیامت سے یہی مراد ہے اور ادوار کے چکر کی کوئی انتہا نہیں، یا ان کے اس قول کی بنا پر کہ ''سفلی عالم [دنیا] کی تدبیر ان سات سیاروں سے مربوط ہے جن میں سے سب سے اونچا زحل، پھر مشتری، پھر مریخ، پھر سورج، پھر زھرہ، پھر عطارد اور پھر چاند ہے یہ مذہب ملحد نجومیوں سے ماخوذ ہے۔

ایسے ہی ان باطنیہ پر ان محمرہ کا اطلاق بھی ہوتا ہے جو 162ھ میں ایک آدمی، جسے عبدالقاہر کہا جاتا تھا، کی قیادت میں ظاہر ہوئے۔ جرجان پر قابض ہوئے اور بہت سے انسانوں کو قتل کیا حتی کہ عمرو بن علاء طبرستان سے ان کی طرف چلے اور ان کے سردار اور اس کے پیروکاروں کی ایک جماعت کو قتل کیا، انہیں محمرہ اسی لیے کہا گیا کہ یہ لوگ اپنے کپڑے ''حمرۃ'' یعنی سرخ رنگ سے رنگتے تھے تاکہ بنی عباس سے ممتاز اور نمایاں رہیں، یا اس لیے کہ یہ لوگ اپنے مخالفین پر ''حمیر'' یعنی گدھوں کا اطلاق کرتے تھے، یا اس لیے کہ ان کے اخلاق و عادات گدھوں کی عادات جیسے ہو گئے تھے۔

ایسے ہی ان پر تعلیمیہ کے نام کا اطلاق بھی ہوتا ہے یہ ان کے اس خیال کی بنا پر کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ امام معصوم کے سوا کسی اور سے علم حاصل کرے۔ اپنی رائے یا عقل کے استنباط پر عمل کرے، نیز ان کا خیال ہے کہ مخلوق میں سے کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ امام معصوم کے سوا کسی اور سے علم حاصل کرے اور اس امام کی تعلیم کے سوا علوم حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔

اسی طرح ان پر ''خرمیہ'' اور ''خرمدینیہ'' کا اطلاق بھی ہوتا ہے خرم عجمی لفظ ہے جو اس لذیذ چیز پر دلالت کرتا ہے جسے دیکھ کر انسان جھومتا اور اس کے مشاہدہ سے خوش ہوتا ہے۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑ گیا کہ ان کے مذہب کا خلاصہ عبادت کرنے والوں سے افعال و اعمال کو ساقط کر دینا

اور شرع کے بوجھ اتار پھینکنا ہے، اور لوگوں کو خواہشات کے پیچھے لگنے لذتوں کو پورا کرنے اور حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو پامال کرنے پر حوصلہ دلاتا ہے۔

اسلام سے قبل ملک فارس میں یہ نام مزدکیہ پر بولا جاتا تھا یہ پہلی اشتراکیت والے وہ لوگ تھے جو ''انوشیرواں'' کے والد ''قباذ'' کے عہد میں ظاہر ہوئے۔

اسی طرح ان کا نام ''بابکیہ'' بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ایک جماعت نے ایک آدمی کی بیعت کی جسے ''بابک خُرمی'' کہا جاتا تھا جو معتصم کے دور میں آذربائیجان کے علاقہ میں ظاہر ہوا، ان لوگوں نے زمین میں بہت فساد مچایا اور مسلمانوں کے لشکروں کو شکست دی۔

امام ابن اثیر وغیرہ ذکر کرتے ہیں کہ معتصم کی جیل کا داروغہ افشین ان سے جنگ کے لیے روانہ ہوا اور ایسے حیلے اور تدبیر اختیار کی جس سے بابک کو قید کرنا ممکن ہو گیا اور صفر 223ھ میں اسے سامرا لے آیا، معتصم نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا، پھر اس کو ذبح کر کے پیٹ چاک کرنے کا حکم دیا اس کا سر خراسان روانہ کر دیا اور اس کے بدن کو سامرا میں سولی پر لٹکا دیا۔

یہ بابکی لوگ ہر حرام کو حلال سمجھتے تھے ایسے ہی ان کے ہاں ایک رات مقرر تھی جس میں ان کی عورتیں اور مرد جمع ہو جاتے چراغ بجھا دیتے اور عورتوں پر چھینا جھپٹی شروع کر دیتے، چنانچہ ہر مرد کسی عورت کی طرف لپکتا اور اسے قبضہ میں کر لیتا، وہ خیال کرتے تھے کہ جو آدمی جس عورت پر قبضہ کر لے وہ شکار کرنے کے ذریعے سے [ہی] اسے حلال جانے اور یقیناً یہ شکار مباحات میں سے بہت لذیذ شکار ہے، جبکہ یہ لوگ فارسی جاہلیت میں اس آدمی پر ایمان رکھتے تھے جو اسلام سے قبل ان کے بادشاہوں میں سے تھا اس کا نام شیروین تھا ان کا عقیدہ تھا کہ وہ نبی ہے اور یہ نبی محمد اور باقی انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے۔[العیاذ باللہ]

ایسے ہی ان پر قرامطہ کا نام بھی بولا جاتا ہے یہ ان کے ایک آدمی کی طرف نسبت ہے جس کا نام ''حمدان قرمط''① تھا، یہ اہل کوفہ میں سے ایک چرواہا تھا شروع شروع میں زہد کی طرف مائل

① قرمط بفتح القاف والمیم اوبکسرهما۔ (المنجد فی الأعلام548) و سیأتی معناه فی کلام الماتن ان شاء الله تعالیٰ وفقه الله و سلمه93.

تھا، اپنی بستی کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں باطنیہ کے ایک مبلغ سے اس کی ملاقات ہوگئی اس آدمی کے آگے کچھ گائیاں تھیں جنھیں وہ ہانک کر لے جارہا تھا حمدان قرمط نے اس مبلغ سے کہا، حالانکہ وہ اس سے اور اس کی حالت سے واقف نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کہیں دور سے آرہے ہیں کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے ایک بستی کا نام لیا وہ حمدان کی بستی ہی تھی تو حمدان نے اس سے کہا: ان میں سے کسی ایک گائے پر سوار ہو جایئے تاکہ آپ چلنے کی مشقت سے راحت پائیں۔ پھر جب اس [مبلغ] نے اسے زہد اور دین داری کی طرف مائل دیکھا تو اسے اسی طرف سے داؤ لگایا جس طرف اس حمدان کو مائل پایا، چنانچہ اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں حمدان نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ تو کسی کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، حمدان نے کہا آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟ مبلغ نے کہا میرے اور تیرے مالک کے حکم پر اور اس ذات کے حکم پر جس کے لیے دنیا و آخرت ہے، حمدان نے کہا، تب تو وہ ذات رب العالمین ہی ہے۔ مبلغ نے کہا آپ نے سچ کہا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی بادشاہی عطا کر دیتا ہے۔

حمدان نے کہا جس جگہ آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کو کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس کے باشندوں کو جہالت سے علم کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف اور بدبختی سے سعادت مندی کی طرف دعوت دوں اور انہیں ذلت و فقر کے تنگ گڑھوں سے بچاؤں اور انہیں اس چیز کا مالک بنادوں جس سے وہ محنت و مشقت سے مستغنی ہو جائیں۔

حمدان نے اس سے کہا آپ مجھے بچائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے اور وہ علم بہا دیجیے جو مجھے محبوب بنادے کیونکہ جو بات آپ نے ذکر کی ہے مجھے اس کی کس قدر زیادہ حاجت ہے۔

مبلغ نے کہا: چھپے ہوئے راز کو مجھے ہر ایک کے لیے ظاہر کرنے کا حکم نہیں مگر اس پر اعتماد اور اس سے عہد لینے کے بعد۔

حمدان: آپ کا عہد کیا ہے؟ اسے ذکر کیجیے، میں اس پر کاربند رہوں گا۔

مبلغ: وہ یہ ہے کہ آپ میرے اور امام کے لیے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد کرلیں کہ آپ

امام کا وہ راز جو میں آپ کو دینے والا ہوں اور میرا راز بھی کسی کے سامنے افشا نہیں کریں گے۔

حمدان نے اس راز [کے چھپانے] کا التزام کرلیا، پھر وہ مبلغ اپنے جہل کے فنون اسے سکھانے لگ گیا، حتی کہ آہستہ آہستہ اسے پھنسالیا اور گمراہ کرلیا پس اس نے اس کی وہ سب باتیں مان لیں جن کی اسے دعوت دی۔

حمدان نے یہ دعوت قبول کر لی اور [بالآخر] وہ باطنیہ کا ایک مضبوط ستون بن گیا اسی کے پیروکاروں کو قرمطیہ یا قرامطہ کہا گیا۔

قرمط کا اصل معنی چلنے کے دوران قدموں کا چھوٹا پن یا لکھنے میں حروف کی باریکی اور سطروں کا قریب قریب ہونا ہوتا ہے اور یہ لوگ بلاشبہ کوتاہ بین ہیں ان پر حق کا راستہ خلط ملط ہوگیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

ان لوگوں کو حکومت مل گئی انھوں نے زمین میں فساد برپا کیا بحرین اور ھجر پر قابض ہو گئے ملکوں [کے باسیوں] کو ڈرایا اور بندوں کو دھمکایا۔[1] امام ابن کثیر رحمہ اللہ 278ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

اس سال قرامطہ متحرک ہوئے یہ ان بے دین زندیقوں کا فرقہ ہے جو ان اہل فارس کے فلاسفہ کا پیروکار ہے جو زردشت[2] اور مزدک[3] کی نبوت کے معتقد ہیں یہ دونوں محرمات کو مباح

---

① ان قرامطہ کا زور برصغیر تک بھی آن پہنچا، چنانچہ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ملتان میں قرامطہ کا زور تھا جو مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، ابوالفتح داود وہاں کا حکمران تھا...... پھر سلطان محمود ملتان پہنچا شہر فتح کرلیا، ابوالفتح داود نے قرمطی عقیدہ سے توبہ کرلی اور پکا مسلمان بن گیا۔ تاریخ پاک و ہند: 173-178.

② زردشت یا زرتشت بفتح الزای وضم الدال او التاء یونان کے مشہور حکیم فیثا غورث کے شاگرد کا نام جو منوچہر شاہ ایران کی نسل سے تھا۔ زردشت نے ''گشتاسپ'' شاہ ایران کے عہد میں نبوت کا دعوی کرکے آتش پرستی کا مذہب ایجاد کیا، آتش پرست اسے پیغمبر مانتے اور اس کی کتاب ''ژند'' کو آسمانی یا الہامی کتاب خیال کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات فارسی: 538/1.)

③ بفتح المیم والدال، ایران کے ایک فصیح و بلیغ کا نام جو نوشیرواں کے باپ کے عہد میں تھا اور اس نے ایک نیا مذہب نکالا تھا، نوشیرواں نے بادشاہ ہونے پر اسی لیے اسے مروا ڈالا۔ (فیروز اللغات فارسی: 394/2)

قرار دیتے ہیں، پھر اس کے بعد یہ لوگ ہر باطل کی طرف آواز دینے والے کے پیروکار ہیں ان کی زیادہ تر خرابی شیعوں کی طرف سے ہوتی ہے اور انہی کی طرف سے یہ باطل میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں میں سب سے کم عقل ہوتے ہیں، انہیں اسماعیلیہ کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ اسماعیل الاعرج بن جعفر صادق سے منسوب ہیں۔"

پھر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا: "کہ ان کا رئیس اپنے پیروکاروں کو [شروع شروع میں] پچاس نمازوں کا حکم دیتا تھا تاکہ انہیں اسی میں مشغول رکھے۔"①

386ھ میں قرامطہ ابوسعید حسن بن بہرام جنابی کی قیادت میں متحرک ہوئے انھوں نے هَجر اور اس کے اِردگرد کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور ان میں بہت فساد برپا کیا۔

یہ ابوسعید جنابی غلے کا دلال تھا، غلہ بیچتا اور لوگوں کے لیے قطیف نامی شہر میں قیمتوں کا حساب کرتا، پھر باطنیوں کے بعض مبلغ قطیف کے شیعوں کے پاس آئے [انہیں اپنے عقیدے کی دعوت دی] تو انھوں نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ابوسعید جنابی ان کا امیر بن بیٹھا۔

یہ اصل میں ایک شہر سے تھا جس کا نام جنابہ ہے قطیف سے قریب واقع ہے اس نے زمین میں بہت فساد مچایا، اہل عراق و شام کو ڈرایا دھمکایا، یہاں تک کہ یہ 301ھ میں مر گیا۔

پھر اس کے بعد اس کے بیٹے ابوطاہر جنابی نے قرامطہ کے معاملہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ قرامطہ کے مبلغین بہت زیادہ ہو گئے اور ان کی حکومت قائم ہو گئی، 317ھ میں ان کی شان و شوکت بہت زیادہ بڑھ گئی اور یہ خانہ کعبہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ لوگ ترویہ② کے روز [منیٰ] میں تھے لوگوں کو کچھ خبر نہ ہوئی حتیٰ کہ قرامطہ نے ابوطاہر جنابی کی قیادت میں ان کے مال لوٹ لیے، مکہ کی کشادہ زمین اس کی گھاٹیوں، مسجد حرام اور کعبہ کے اندر جو حاجی انہیں ملے وہ مار دیے گئے۔

ان کا امیر ابوطاہر کعبہ کے دروازہ پر بیٹھ گیا جبکہ انسان اس کے اِردگرد مارے جا رہے تھے

---

① البدایہ والنہایہ 62/11۔

② روّی یروّی کا مصدر ہے یعنی سیر کرنا یوم الترویہ ماہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ، اس وجہ سے کہ اس تاریخ میں عرفات کو جانے کے لیے اونٹوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ (مصباح اللغات: 335)

تلواریں ترویہ کے روز حرمت والے مہینے میں مسجد حرام کے اندر اپنا کام کر رہی تھیں اور یہ ملعون کہہ رہا تھا: ''میں اللہ ہوں اور اللہ کے ساتھ ہوں مخلوق کو میں ہی پیدا کرتا ہوں اور ختم کرتا ہوں۔''

اس نے کوئی طواف کرنے والا اور خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹنے والا نہ چھوڑا حتی کہ اسے قتل کر دیا، پھر مقتولوں کو زم زم کے کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا اور بہت سے لوگوں کو مسجد حرام میں ہی دفن کر دیا، پھر زم زم کا گنبد گرا دیا خانہ کعبہ کے دروازوں کو اکھیڑنے اور اس کا غلاف اتارنے کا حکم دیا۔

پھر حجر اسود اکھیڑنے کا حکم دیا تو ایک قرمطی آگے بڑھا اس نے اپنے ہاتھ میں اٹھائی کدال یہ کہتے ہوئے حجر اسود پر ماری: ''کہاں ہیں ابابیل پرندے؟ کہاں ہیں سنگریزے؟'' پھر اس نے حجر اسود اکھیڑ لیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے حجر اسود ان کے پاس بائیس سال رہا۔

فاطمیین

اسی سال جس سال قرامطہ نے حجر اسود اکھیڑا ان کے ہاں بلاد مغرب میں ان کے ایک سردار جسے ابو محمد عبید اللہ بن میمون قداح کہا جاتا تھا، کے ہاتھ پر ایک شر اور خرابی کا ظہور ہوا جو ''فاطمیین'' کے نام سے مشہور ہوئی یہ ابو محمد سلمیہ میں ایک رنگساز یہودی تھا اس نے اسلام کا دعوی کیا اور سلمیہ سے چل کر بلاد مغرب میں داخل ہو گیا اور دعوی کیا کہ وہ ایک فاطمی سردار ہے، بربر کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصدیق کر دی حتی کہ اس کی حکومت قائم ہو گئی، پھر یہ سلجماسہ کے شہر پر قابض ہو گیا اس نے ''مھدیہ'' نام کا ایک شہر آباد کیا اور افریقہ پر بنی اغلب کے آخری بادشاہ ابو نصر زیادۃ اللہ سے حکومت چھین لی۔

یہ شخص مشہور کرتا تھا کہ وہ اہل بیت میں سے ہے اس کے نسب کے بیان میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ عبداللہ بن حسن بن محمد علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے اور کبھی یہ کہتا کہ وہ اسماعیل بن جعفر صادق کی نسل سے ہے۔

ابن خلکان کہتے ہیں: ''محققین، نسب کے بارہ میں اس کے دعوی کو نہیں مانتے اور وہ صاف

کہتے ہیں کہ فاطمیین بننے والے یہ لوگ مشتبہ نسب والے ہیں اور وہ سلمیہ کی ایک یہودی نسل سے ہیں، اس کے باپ میمون کو قداح کا قلب اس لیے دیا گیا کہ یہ سرمہ لگاتا تھا اور آنکھوں کے اندر سے پانی نکالتا تھا، یہ عبید اللہ بن میمون قداح 322ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کا پوتا ''المعز'' مصر پر غالب آ گیا یہاں عبیدیین کی حکومت تقریباً دوصدیاں قائم رہی یہاں تک کہ بطل اسلام صلاح الدین ایوبی نے 564ھ میں اس کا خاتمہ کیا وہاں سے ان عبیدیین کے نشانات مٹا دیے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت سی خرابیوں سے مسلمانوں کو سکون بخشا۔

دُروز

ان باطنیوں میں سے ایک جماعت دروز بھی ہے یہ لوگ باطنیوں کے ان مبلغین میں سے ایک آدمی کی طرف منسوب ہیں جو ''الحاکم عبیدی'' کی الوہیت کے قائل تھے، اس آدمی کو درزی کہا جاتا تھا، یہ درزی فارسی الاصل تھا اس کا نام محمد بن اسماعیل تھا۔ 408ھ میں یہ مصر آیا اور اس ''الحاکم'' کی اجازت سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ پہلا آدمی تھا جس نے اس مجنون الحاکم کی الوہیت کا اعلان کیا۔ اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک اور فارسی آدمی بھی شریک ہوگیا جسے حمزہ بن علی بن احمد کہا جاتا تھا (ایران کے شہر) زوزن کا رہنے والا تھا اون کے بستر تیار کرتا تھا، پھر مصر آیا اور یہ بھی ''الحاکم'' سے ملا۔

درزی نے اس تباہ کن بنیاد کا اعلان اس وقت شروع کیا جب اس نے ایک ایسی کتاب لکھی جس میں باطنی عقائد سمو دیے اور اس میں اس الحاکم کی الوہیت کا اعلان کیا اور اسے قاھرہ میں ''جامع ازہر''[1] میں پڑھ کر سنایا، اس سے لوگوں میں شور و شغب پیدا ہوگیا، انھوں نے اسے قتل کر دینا چاہا تو یہ مصر سے بھاگ نکلا اور لبنان کے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی جہاں سے اس نے اپنے موقف و نظریہ کی تبلیغ شروع کی حتی کہ 410ھ میں یہ مر گیا۔

---

[1] قاہرہ کی یہ ایک مشہور مسجد تھی جسے 984ء میں معز الدین نے تعمیر کروایا، علوم و فنون کا بھی مرکز رہی، پھر 1936ء میں یہیں ازھر یونیورسٹی قائم ہوئی۔ (المنجد: 39).

دروز نے لبنان، بانیاس اور اس جبل حوران کی چوٹیوں کو اپنا مسکن بنایا جسے جبل دروز بھی کہا جاتا ہے۔

نُصَیریہ ①

باطنی فرقہ کی ایک جماعت نصیریہ بھی ہے فرانسیسیوں نے انہیں ''علوبین'' کا نام دیا ہے۔ یہ اصل میں ایک آدمی سے منسوب ہیں جسے محمد بن نصیر کہا جاتا تھا یہ بنی نمیر کے غلاموں اور اس حسن عسکری کے گرد جمع ہونے والوں میں سے تھا جسے اثنا عشری شیعہ اپنا گیارھواں امام گردانتے ہیں۔

جب 260ھ میں عسکری فوت ہوا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جیسا کہ اس کے بھائی جعفر نے اس کی گواہی دی ہے تو محمد بن نصیر نے ایک حیلہ کیا، چنانچہ اس نے حسن عسکری کے شیعہ کے لیے دعوٰی کرتے ہوئے کہا: یقیناً حسن کا ایک لڑکا محمد تھا امامت اسی کی طرف منتقل ہوگئی ہے اور وہ اپنے والد کے گھر کی سرنگ میں چھپ گیا ہے اور وہی مہدی منتظر ہے عنقریب واپس آئے گا اور زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی۔

پھر اس محمد بن نصیر نے دعوٰی کیا کہ وہ خود ہی مہدی منتظر کا دروازہ ہے لیکن حسن عسکری کے شیعہ نے ابن نصیر کے اس قول کی کہ وہ مہدی منتظر کا دروازہ ہے، تصدیق نہ کی اگرچہ انھوں نے اپنے مذہب کو باقی رکھنے کا حیلہ کرتے ہوئے سرنگ میں چھپنے والے اس لڑکے کے وجود پر موافقت کی۔

پھر ان شیعہ نے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا جو حسن عسکری کے دروازے پر تیل بیچتا تھا اور اس کے بارہ میں دعوٰی کیا کہ یہی مہدی کا دروازہ ہے پس محمد بن نصیر ان کے پاس سے بھاگ گیا اور فرقہ نصیریہ کی بنیاد رکھی۔

اس نے اپنے اصول سبائیت، خطابیت، مجوسیت، عیسائیت اور اثنا عشری شیعہ جیسے فرقوں سے

---

① بضم النون مصغرا۔ (المنجد 710).

اخذ کیئے۔ اس نے عقیدہ قائم کیا کہ آسمان وزمین کا الٰہ علی بن ابی طالب ہے وہ تناسخ ارواح کا بھی قائل ہوگیا اور مجوسیوں وعیسائیوں کی عیدوں کو [پھر سے] زندہ کردیا، یہ فرقہ دریائے عاص کے مغرب میں واقع شام کے شہروں میں مقیم ہے۔

قادیانیہ یا احمدیہ

یہ فرقہ نئے دور کا ہے، اعتقاد کے پختہ تعلقات اسے باطنی فرقہ اسماعیلی کے ساتھ جوڑتے ہیں، یہ لوگ ایک آدمی سے منسوب ہیں جسے غلام احمد بن غلام مرتضیٰ بن عطا محمد قادیانی کہا جاتا ہے۔

یہ غلام احمد ہندوستانی پنجاب کی ایک بستی قادیان میں 1939ء یا 1940ء کو ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا جسے کبھی مغل اور کبھی فارسی کہا جاتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ وہ مغل ہے نہ فارسی۔

یہ خاندان ہند پر قابض انگریزوں سے دوستی اور ان کی خدمت کرنے میں مشہور تھا اس غلام احمد کا باپ انگریز کے ایجنٹوں اور دلالوں میں سے تھا، اس کے بیٹے نے خود بتایا کہ اس کا باپ قبضہ [انگریز] کے خلاف تحریکوں میں اپنے ہم وطن ہندوؤں کے خلاف انگریز کی صف میں کھڑا ہوتا تھا، جیسا کہ اس سے منقول ہے کہ اس نے انگریز کی اس وقت مدد کی جب 1857ء میں ہندو اس کے خلاف بھڑک اٹھے اور اس نے انگریز کو پچاس فوجی اور پچاس گھوڑے پیش کیے تاکہ انگریز ان کے ذریعے اس کے ہم وطن ہندوؤں سے جنگ کرے۔

رہا غلام احمد تو اس نے اپنی جوانی کا آغاز تھوڑی سی فارسی اور کچھ صرف ونحو پڑھنے سے کیا اسی طرح اس نے تھوڑی سی طب بھی پڑھی لیکن اس کی وہ امراض جو اسے بچپن سے لاحق ہوگئی تھیں پڑھائی جاری رکھنے میں حائل ہوگئیں۔

سیالکوٹ منتقلی: اس کی جوانی کے آغاز میں اس کے خاندان نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دادا کی اس پنشن میں سے ایک معقول رقم وصول کرنے جائے جو انگریز نے اس کی دلالی اور ایجنٹی کے صلہ میں اس کے لیے مقرر کی تھی، یہ گیا اور اس کے ساتھ اس کا دوست امام دین بھی تھا رقم وصول کر لینے کے بعد اس امام دین نے قادیان سے باہر چند لطف اندوز گھڑیاں گزارنے کی ترغیب دی، غلام احمد مان گیا اور جلد ہی انھوں نے وہ پنشن اڑا دی۔ جب ان کا مال ختم ہوگیا تو

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر رفو چکر ہو گیا، غلام احمد گھر سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا اور سیالکوٹ کا رخ کیا جو اس وقت مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ایک شہر ہے۔

اور سیالکوٹ میں اپنے روزگار کی طرف مجبور ہوا تو کچہریوں کے سامنے بیٹھنے لگا، تا کہ لوگوں کے لیے اشٹام اور وثیقے وغیرہ لکھے جس کے عوض اسے تھوڑی سی مزدوری ملتی جو ماہانہ 15 روپے کے برابر تھی۔اور یہ 1864 م کی بات ہے۔

سیالکوٹ میں اس کی اقامت کے ایام میں انگریزی کی تدریس کے لیے رات کا ایک سکول کھولا گیا، غلام احمد اس میں داخل ہو گیا یہاں اس نے بقول خود ایک یا دو کتابیں پڑھیں پھر وکالت کے امتحان میں شریک ہوا۔لیکن فیل ہو گیا پھر چار سال بعد سیالکوٹ میں اپنی مصروفیات ترک کر کے اپنے والد کے ہمراہ ان عدالتوں اور کچہریوں میں کام کرنے لگا جہاں اس کا باپ کام کرتا تھا۔

اس وقت سے یہ اسلام کا مطالعہ کرنے لگا اور دعوٰی کیا کہ وہ عنقریب ایک کتاب بنام ''براہین احمدیہ'' تالیف کرے گا تا کہ اس میں اسلام [کی حقانیت] پر ثبوت پیش کرے اس وقت سے اسے شہرت ملی۔

حکیم نور الدین بھیروی: سیالکوٹ میں غلام احمد کی اقامت کے دوران منحرف ہونے والوں میں سے ایک آدمی جس کا نام نور دین بھیروی تھا اس سے ملا۔ یہ نور دین 1258ھ موافق 1841ء کو ضلع شاہ پور جو اب مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب میں سرگودھا کے نام سے مشہور ہے، میں پیدا ہوا۔ فارسی پڑھی اور ابتدائی عربی سیکھی اور 1858ء میں راولپنڈی کے ایک سرکاری سکول میں استاد فارسی لگ گیا، پھر ایک پرائمری سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوا، چار سال یہیں گزارے، پھر یہ نوکری چھوڑ دی اور پڑھنے لگ گیا، رامپور سے لکھنؤ گیا اور وہاں طبیب لکھنؤ حکیم علی حسین سے طب قدیم کی تعلیم حاصل کی اس کے ہاں دو سال ٹھہرنے کے بعد 1285ھ میں حجاز کا سفر کیا۔

مدینہ منورہ میں اس کی ملاقات شیخ رحمت اللہ ہندی اور شیخ عبدالغنی مجددی سے ہوئی، پھر اپنے

ملک واپس آگیا، جہاں اس کی بحثیں اور مناظرے مشہور ہو گئے اور جنوبی کشمیر کے صوبہ جموں میں بطور خطیب خاص اس کی تقرری ہوئی، پھر 1892ء میں اس نوکری کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

جموں میں اپنی اقامت کے دوران اس نے غلام احمد کی خبر سنی تو ان کے درمیان پختہ دوستی قائم ہوگئی، پھر جب غلام احمد نے ''براھین احمدیہ'' کی تالیف شروع کی تو نوردین نے ایک کتاب بنام ''تصدیق براھین احمدیہ'' لکھی۔

پھر اس نوردین نے غلام احمد کو دعویٰ نبوت پر اکسایا، چنانچہ اس نے کتاب ''سیرت المھدی'' کے 99 صفحہ پر ذکر کیا:

''اس وقت حکیم نے کہا اگر یہ آدمی، یعنی غلام احمد دعوٰی کر دے کہ وہ صاحب شریعت نبی ہے اور اس نے شریعتِ قرآن کو منسوخ کر دیا ہے تو میں اس کی بات کا انکار نہ کروں''

اور جب یہ غلام احمد قادیان منتقل ہوا تو یہ حکیم بھی اس سے آملا اور بظاہر غلام احمد کا سب سے بڑا پیروکار بن گیا۔

غلام احمد نے پہلے یہ دعوٰی کیا کہ وہ مجدد ہے، پھر لوگوں کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ مھدی منتظر ہے پھر نوردین نے اسے مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کرے تو غلام احمد نے 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کر دیا۔ وہ لکھتا ہے:

''میں اسی طرح مبعوث کیا گیا ہوں جس طرح موسیٰ کلیم اللہ کے بعد وہ آدمی، یعنی مسیح مبعوث کیا گیا تھا، جب کلیم ثانی محمد رسول اللہ ﷺ آگئے تو ضروری ہوگیا کہ اس نبی کے بعد جو اپنے تصرفات کے اعتبار سے [موسیٰ] کلیم کی طرح ہے وہ آدمی آئے جو مثیل مسیح کی قوت، طبیعت اور خاصیت کا وارث ہو اور اس کا نزول اس مدت کے قریب قریب ہو جو کلیم اول اور مسیح علیہ السلام کے درمیان تھی، یعنی چودھویں صدی ہجری۔

پھر وہ کہتا ہے:

''حضرتِ مسیح کے ساتھ میری ایک مشابہت ہے اس فطرتی مشابہت کی بنا پر ہی اس عاجز کو مسیح

کے نام کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے تاکہ وہ صلیبی عقیدے [کی دیوار] کو گرا کر برابر کر دے، میں صلیب کو توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، تحقیق میں ان فرشتوں کے ہمراہ آیا ہوں جو میرے دائیں بائیں تھے۔''

نور دین نے اس کے لیے یہ حیلہ تراشا۔ جیسا کہ غلام احمد نے کتاب ازالۂ اوھام میں خود صراحت کی ہے کہ وہ دمشق جہاں عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اس سے مراد وہ مشہور دمشق نہیں بلکہ دمشق سے مراد وہ بستی ہے جہاں یزیدی طبیعت کے لوگ رہتے ہوں اور لفظ دمشق میں استعارہ ہے۔

پھر وہ کہتا ہے:

''یقیناً بستی قادیان دمشق سے مشابہ ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کام کی خاطر اس دمشق، یعنی قادیان کے مشرقی جانب اس مسجد کے مینار بیضاء کے پاس اتارا ہے جس میں داخل ہونے والا پرامن ہو جاتا ہے۔'' اس سے مراد وہ مسجد ہے جو اس نے قادیان میں تعمیر کروائی تاکہ اسلام سے مرتد اس کے پیروکار مسجد حرام سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے اس مسجد کا حج کرنے جائیں اور اس کے پاس ایک سفید مینار بھی بنایا تاکہ لوگوں کو دھوکا دے سکے کہ یہ وہی مینار ہے جس پر مسیح، یعنی وہ خود اترے گا۔

مرزا غلام احمد کا دعوائے نبوت

مرزا غلام احمد نے اپنے گمراہ پیروکاروں میں سے ایک کو قادیان میں اپنی مسجد کا امام مقرر کیا جس کا نام عبدالکریم تھا یہ عبدالکریم مرزا کے دو بازوؤں میں سے ایک تھا جبکہ دوسرا بازو حکیم نور دین تھا جیسا کہ خود مرزا نے اس کی صراحت کی ہے:

1910ء میں عبدالکریم نے ایک خطبہ جمعہ دیا جبکہ مرزا بھی وہاں موجود تھا اس خطبہ میں اس نے کہا: مرزا غلام احمد اللہ کی طرف سے مبعوث ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے جو آدمی انبیاء پر ایمان لاتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا تو وہ رسولوں کے درمیان فرق کرتا ہے اور مومنوں کے وصف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

''ہم اس کے رسولوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے۔'' کی مخالفت کرتا ہے اس خطبہ نے مرزا کے پیروکاروں کے مابین ایک بحث اور جھگڑا کھڑا کر دیا جو اس کے مجدد، مھدی معہود اور مسیح موعود ہونے کے قائل و معتقد تھے۔ جب انھوں نے اس [عبدالکریم] کی بات کو نہ مانا تو اس نے اگلے جمعہ کو ایک اور خطبہ دیا اور مرزا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''میرا اعتقاد ہے کہ آپ نبی اور رسول ہیں، پس اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے تنبیہ کیجیے، جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے اور مرزا نے بھی گھر جانا چاہا تو عبدالکریم نے اسے روک لیا، تب غلام احمد نے کہا: ''میں اس کا مُقِرّ ہوں اور اس کا دعوٰی کرتا ہوں۔''

پھر وہ اپنے گھر آ گیا تو عبدالکریم اور بعض لوگوں کے مابین جھگڑا ہو گیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، تب مرزا اپنے گھر سے نکلا اور کہا: ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی مت کرو۔'' اس وقت وہ اپنے فخر میں بڑھنے لگا اور لوگوں سے مطالبہ کرنے لگا کہ اس پر بحیثیت نبی اور رسول لازمی ایمان لایا جائے اور 1902ء میں اس نے ایک رسالہ بنام ''تحفۃ الندوہ'' تالیف کیا اس میں وہ کہتا ہے:

''پس جیسا کہ میں نے کئی مرتبہ ذکر کیا کہ یہ کلام جو میں پڑھتا ہوں قطعی اور یقینی طور پر تورات اور قرآن کی طرح کلام اللہ ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے ایک ظلی اور بروزی نبی ہوں، ہر مسلمان پر دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ میں مسیح موعود ہوں، جس آدمی کو میرا پیغام پہنچ جائے، پھر مجھے حکم اور فیصل نہ مانے اور اس بات پر ایمان نہ لائے کہ میں ہی مسیح موعود ہوں اور نہ ہی یہ بات مانے کہ جو وحی مجھ پر آتی ہے من جانب اللہ ہے تو وہ [اپنا] ذمہ دار ہے اور آسمان میں اس سے حساب لیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو کیونکہ اس نے وہ کام چھوڑ دیا جو اس پر فرض تھا۔''

یہاں تک کہ وہ کہتا ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق کے لیے اتنی آسمانی نشانیاں نازل کی ہیں جو دس ہزار سے زیادہ ہیں اور یقیناً قرآن ورسول نے میری گواہی دی ہے اور انبیاء کرام میری بعثت کے زمانہ کی تعیین کر گئے......الی آخر البکواسات.

پھر اس نے دعوٰی کیا کہ وہ جہاد جو اسلام نے جاری کیا تھا منسوخ ہو گیا اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ انگریز سے صلح رکھے، اس بارے میں اس نے ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام تریاق القلوب رکھا۔ اس کے صفحہ 15 پر وہ لکھتا ہے:

''میں نے اپنی اکثر عمر انگریزی حکومت کی تائید واعانت میں گزاری، میں نے جہاد کی ممانعت اور اولوالامر، یعنی انگریز کی اطاعت کے وجوب پر اتنی کتابیں اعلانات اور اشتہارات و پمفلٹ لکھے کہ اگر وہ جمع کیے جائیں تو پچاس الماریاں بھر جائیں، یہ تمام کتب عربی ممالک مصر وشام اور ترکی میں پھیلا دی گئیں اس سے میرا مقصد ہمیشہ یہ رہا کہ مسلمان اس حکومت سے مخلص ہو جائیں اور ان کے دلوں سے سفاک مھدی اور بدکردار مسیح کے واقعات اور وہ احکام مٹا دیے جائیں جو ان میں جہاد کا جذبہ ابھارتے ہیں اور بے وقوفوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔

ایک خط جو اس نے صوبے کے نائب حاکم کو لکھا اس میں وہ کہتا ہے:

''میں بچپن ہی سے جبکہ اس وقت میں ساٹھ کے پیٹے میں ہوں اپنی زبان وقلم سے کوشش کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو انگریزی حکومت کے لیے اخلاص وخیر خواہی اور اس سے نرمی کا برتاؤ کرنے کی طرف پھیر لوں اور جہاد کے اس جذبہ کو ختم کر دوں جسے بعض جاہل اپنائے ہوئے ہیں اور وہ انہیں اس حکومت کے لیے اخلاص سے روکے ہوئے ہے۔

اس دعوت کی کامیابی کے لیے حکومت انگریز نے پوری قوت صرف کر دی اور اس دعوت کا پرچار کرنے والوں پر اعلیٰ عہدوں اور بے پایاں اموال کے دہانے کھول دیے۔

یہ مرزا اپنی اس دعوت میں لگا رہا یہاں تک کہ اسے ان دائمی امراض نے لاغر کر دیا جو بچپن سے لاحق تھیں اور 1908ء میں یہ وبائی ہیضہ میں مبتلا ہو گیا۔ یہ لاہور میں تھا اور وہیں 26 مئی 1908ء کو بیت الخلا میں مر گیا، اس کی لاش قادیان لے جائی گئی جہاں اسے اس مقبرہ میں دفن کیا گیا جس کا نام اس نے ''مقبرۂ جنت'' رکھا تھا۔ اس کی گمراہ کن دعوت کے لیے حکیم نوردین اس کا خلیفہ بنا۔

بہائیت

اس فرقہ باطنیہ کی ایک شاخ بہائیت بھی ہے اس کا اصلی نام بابیت ہے اور یہ محمد علی شیرازی نامی ایک آدمی کی طرف نسبت ہے جو 1830ء کو ایران میں پیدا ہوا۔ یہ آدمی اثنا عشری شیعہ میں سے تھا لیکن وہ اپنے مذہب سے اسماعیلی مذہب کو بھی ملانے لگا اور فلسفی تحقیقات میں مشغول ہو گیا، پھر اس نے لوگوں کے سامنے یہ نظریہ پیش کیا کہ وہی اکیلا پوشیدہ امام کے علم کے ساتھ بولنے والا ہے اور وہی اس کی طرف (باب یعنی) دروازہ ہے اسی لیے اس کی جماعت بابیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اس نے دعویٰ کیا کہ یقیناً وہی مہدی منتظر ہے، پھر دعویٰ کیا کہ اللہ تعالی نے اس میں حلول کیا ہے اور اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے ظاہر ہوتا ہے اور وہی آخری زمانہ میں عیسیٰ اور موسیٰ (علیہما السلام) کے اظہار کا راستہ ہے۔ تو یہ ایک نئی سوچ تھی، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح موسیٰ علیہ السلام کا بھی زمین کی طرف واپس آنا۔

پھر اس نے آخرت پر ایمان نہ لانے کا اعلان کیا اور جنت و دوزخ کا انکار کیا اور کہا: یہ تو نئی روحانی زندگی کے رموز ہیں اور پھر برہمنوں اور بدھ متوں کے طریقہ پر چل پڑا، پھر اس نے کہا کہ وہی تمام انبیاء ورسل کا حقیقی نمائندہ ہے۔ چنانچہ وہ نوح ہے جس روز نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ موسیٰ ہے جس روز وہ مبعوث ہوئے اور وہ عیسیٰ ہے جس روز وہ مبعوث ہوئے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس روز آپ مبعوث ہوئے۔ پھر اس نے خیال کیا کہ وہ یہودیت اور اسلام کو [ایک ہی دین میں] اکٹھا کر رہا ہے اور ان کے مابین کوئی فرق نہیں۔ پھر اس نے حلول کا عقیدہ [1] اختیار کیا، یعنی اللہ تعالیٰ اس میں اتر پڑا ہے، اور بالآخر اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کر دیا۔

اس کے بعد اس نے دین کے قطعی طور پر ثابت بہت سے اسلامی احکام کا انکار کیا۔ چنانچہ

[1] عقیدہ حلول کا یہ ذکر مکرر تکرار "بلا طائل" معلوم ہوتا ہے۔

عورت و مرد کو وراثت وغیرہ میں برابر [حصہ دار] ٹھہرایا، پھر "البیان" نامی ایک کتاب تالیف کی اور کہا یہ قرآن کی طرح ہے۔ 1850ء میں اسے گولی ماردی گئی جبکہ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ ہونے پائی تھی۔

پیروکاروں میں سے اس کے دو وزیر تھے، ایک کا نام "صبح اول" اور دوسرے کا نام "بہاء اللہ" تھا۔ حکومت نے ان دونوں کو ملک فارس سے جلا وطن کر دیا۔ صبح اول قبرص چلا گیا جبکہ دوسرا اندرین میں جابسا۔ صبح اول نے بابیہ دعوت میں مستمر رہنے کی کوشش کی اور اس کے پیروکار کم ہو گئے۔ رہا بہاء تو اس کے پیروکار زیادہ ہو گئے اور مذہب کو اسی سے منسوب کرتے ہوئے بہائیت کہا گیا۔ بہاء نے بھی اپنے اندر اللہ کے حلول کا دعویٰ کیا اور کہا مرزا علی کا وجود اس کے لیے تمہید و مقدمہ تھا۔

جب صبح اول اور بہاء کے پیروکاروں کے درمیان جھگڑا شدت اختیار کر گیا تو حکومت عثمانیہ نے بہاء کو عکا[1] کی طرف جلاوطن کر دیا، وہاں اس نے ایک کتاب لکھی اس کا نام بھی "البیان" ہی رکھا اور کہا کہ یہ قرآن کا بدل ہے اور ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام "کتاب اقدس" رکھا اور کہا یہ اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔

جس چیز کی طرف وہ دعوت دیتا تھا اس کا نام "دین جدید" رکھا جو اسلام نہیں تھا، وہ ایسا دین تھا جو تمام ادیان، سب جنسوں اور پورے عالم کو جمع کرتا تھا، وہ خطوط جن کے ذریعے وہ حکام اور بادشاہوں سے خط کتابت کرتا تھا ان کا نام سورتیں رکھتا تھا۔

پھر اس نے تمام اسلامی قیود و حدود ختم کرنے کا کہا اور انسانوں کے مابین، خواہ ان کے ادیان، رنگ اور نسلیں مختلف ہی ہوں، مساوات کو لازم ٹھہرایا۔ تعدد زوجات سے منع کر دیا اور بوقت ضرورت صرف دو بیویوں کو جمع کرنا جائز رکھا۔ نماز کی جماعت کو منسوخ کر دیا، ماسوی جنازوں کی نماز کے ان کے ماسوی نماز صرف اکیلے اکیلے ہوگی۔

[1] بفتح العین والکاف مشددہ، فلسطین کے ایک شہر کا نام (القاموس)

خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرنا ختم کر دیا اور لازم کیا کہ قبلہ وہیں ہوگا جہاں بہاء ہوگا، اسلام کی تمام محرمات کو جائز قرار دیا۔

وہ اپنی گمراہی میں مستمر رہا تا آنکہ 16 مئی 1882ء کو مر گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا جو عبدالبہاء کے لقب سے مشہور تھا، اس کا خلیفہ بنا۔

عقائد باطنیہ

یہ فرقے بے شمار وہمی دائروں میں گھومتے ہیں اور حقیقت میں ان سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کے اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات کے انکار سے ہے، کبھی آل بیت سے تعاون اور کبھی تجدید کے دعویٰ کے پس پردہ انبیاء کی شریعتوں کی تحریف بھی ان کا کام ہے۔ اپنی من گھڑت احادیث اور تحریف کردہ یا تاویل کردہ نصوص کو انھوں نے اپنا آلہ بنایا، ان کی عام تاویلات مجوسیوں کے اصول اور ارسطو جیسے فلاسفہ کے بعض نظریات پر مبنی ہیں۔

ان میں سے بہت سے لوگ علی الاعلان کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے خالق حضرت علی ہیں اور وہ کہتے ہیں حضرت علی انسانی صورت میں اس لیے ظاہر ہوئے تاکہ اپنی مخلوق اور بندوں کو مانوس کر لیں، پھر وہ انھیں پہچان لیں اور ان کی عبادت کریں۔ ان میں سے بعض نے یہ اشعار پڑھے ؎

''میں گواہی دیتا ہوں کہ کنپٹیوں سے گنجے اور فربہ پیٹ والے شیر [یعنی حضرت علی] کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس پر محمد صادق امین کے علاوہ اور کوئی حجاب و پردہ نہیں، پھر اس کی طرف مضبوط اور قوت والے سلمان کے سوا کسی کا کوئی راستہ نہیں۔''

اور بعض کہتے ہیں ابلیسوں کا ابلیس نعوذ باللہ عمر بن خطاب ہے جو فارس و مجوس کو رسوا کرنے والا ہے، اس کے بعد ابلیسیت کے مرتبہ میں ابو بکر کا اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ہے۔ اپنے عقائد کے اثبات میں ان کے ہاں الحاد، بے دینی اور کلام اللہ و کلام الرسول کے معانی میں تحریف کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ان کے اکثر کہتے ہیں:

''پانچ نمازوں کا معنی ان کے اسرار کی یا پانچ اسماء کی معرفت ہے اور وہ علی، حسن، حسین، محسن اور فاطمہ ہیں، فرضی روزہ سے مراد ان کے اسرار کو چھپانا ہے یا اس سے مراد تیس مرد یا تیس عورتیں ہیں جنھیں وہ اپنی کتب میں شمار کرتے ہیں۔ حج بیت اللہ کا مقصد ان کے شیوخ کی زیارت ہے۔ اوران میں سے بعض لوگ ''تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَھَبٍ'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہاتھوں سے مراد ابوبکر وعمر ہیں، ان سب نے زنا، شُرب شراب اور فواحش کا ارتکاب جائز رکھا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ انبیاء کرام (نعوذ باللہ) حکومت کے طالب ہوتے ہیں، پھر ان میں سے بعض نے اس کے حصول میں اچھا انداز اپنایا اور بعض نے براحتیٰ کہ وہ قتل کر دیے گئے، وہ حضرت موسیٰ اور محمد علیہما السلام کو پہلی قسم میں شمار کرتے ہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوسری قسم سے گردانتے ہیں۔

اسماعیلیہ کے ایک مبلغ ابو منصور یمانی نے اپنی کتاب ''البیان لمباحث الاخوان'' میں ان کے مذہب کی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں، ایسے ہی موجودہ مبلغین میں سے ایک اہم آدمی۔ جس کا نام مصطفیٰ غالب ہے اور وہ ایشیائی شاہ مجلس اور مجلس تحقیقات اسماعیلیہ کا رکن ہے، شام کے شہر سلمیہ کا رہنے والا ہے۔ نے اس کتاب کے مقدمہ میں اپنے مذہب کا خلاصہ لکھا ہے۔ وہ اس میں لکھتا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ جہاں سے اوپر ہے اور وہ غیر محدود ہے تو اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ براہ راست اس جہان کو پیدا کر سکے ورنہ وہ اس کے ساتھ اتصال پر مجبور ہوگا، حالانکہ وہ اس سے بہت دور ہے، اس کے مقام تک نیچے نہیں آ سکتا اور جب وہ اکیلا ہے تو اس سے کئی جہاں وجود میں نہیں آ سکتے، اللہ تعالیٰ اس جہان کو پیدا ہی نہیں کر سکتا کیونکہ پیدا کرنا ایک کام ہے یا ایسی چیز کو وجود میں لانا ہے جو معدوم تھی، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر نہیں آ سکتا، اس لیے یہ نظریہ دو مختلف امور کو بیان کرتا ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس جہان کے وجود کا سبب وعلت ہے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ جہاں سے اوپر ہے اور اس سے متصل ہو کر اسے پیدا نہیں کر سکتا۔''

امام غزالی اپنی کتاب ''فضائح الباطنیۃ'' میں لکھتے ہیں: ''[فرقوں] کے مقالات نقل کرنے والے بلاتردد اس بات پر متفق ہیں کہ وہ باطنی دو ایسے قدیم معبودوں کے قائل ہیں جن کے وجود کی زمانے کے لحاظ سے ابتدا معلوم نہیں، یہ بات ضرور ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے وجود کے لیے علت وسبب ہے۔ علت کا نام ''السابق'' ہے اور معلول کا نام ''التالی'' پیچھے آنے والا ہے اور سابق نے بذات خود نہیں بلکہ تالی کے واسطے سے جہان کو پیدا کیا۔ پہلے کو عقل اور دوسرے کو نفس بھی کہا جاتا ہے۔''

رہا نبوتوں کے بارے میں ان کا اعتقاد تو وہ فلاسفہ کے اعتقاد سے قریب ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی ایسے شخص سے عبارت ہے جس پر ''سابق'' کی طرف سے ''تالی'' کے واسطہ سے ایک ایسی صاف وپاک قوت بہ پڑے جو اس کام کے لیے تیار ہو کہ نفس کلیہ کے ساتھ اتصال کے وقت اس میں موجود تمام جزئیات کو حاصل کرلے۔ جیسا کہ بسا اوقات یہ صورت حال بعض نفوس زکیہ کے لیے خواب میں پیش آجاتی ہے حتیٰ کہ وہ درپیش حالات سے مستقبل کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جبریل اس نبی پر بہنے والی عقل سے عبارت ہے نہ کہ وہ کوئی ذات ہے جو اوپر سے آتی ہے۔

رہا ان کے ہاں قرآن تو وہ محمد ﷺ کی ان معلومات کے بیان سے عبارت ہے جو آپ پر اس عقل سے بہتی تھیں جو جبریل کے نام سے مراد ہے اور مجازاً اس کا نام کلام اللہ رکھا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر بہنے والی یہ قدسی قوت اپنے پہلے نزول میں مکمل نہیں ہوتی جیسا کہ رحم میں نطفہ نو ماہ کے بعد مکمل ہوتا ہے۔ پھر اس قوت کی تکمیل یہ ہے کہ وہ بولنے والے رسول سے ''اساس صامت''[1] کی طرف منتقل ہو جائے۔

انہوں نے کہا: ہر دور میں حق کو قائم کرنے والے ایک ایسے امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف ظاہری امور کی تاویل اور قرآن کے اشکالات کے حل کے لیے رجوع کیا جائے۔ اور یہ لوگ متفق ہیں کہ یہ امام معصومیت میں نبی کے برابر ہے، اور بولنے والے انبیاء سات ہیں اور ائمہ

[1] اس کی وضاحت اگلے صفحہ پر متن میں آرہی ہے۔

بھی سات ہیں، اس لیے جب ساتواں دور پورا ہو جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی اور نیا دور شروع ہو جائے گا۔

سات ناطق اور ان کی سات بنیادیں یہ ہیں:

آدم ان کی بنیاد شیث، نوح ان کی بنیاد سام، ابراہیم ان کی بنیاد اسماعیل، موسیٰ ان کی بنیاد یوشع، عیسیٰ ان کی بنیاد شمعون، محمد ان کی بنیاد علی اور اسماعیل جس سے اسماعیلیہ منسوب ہیں، اس کی بنیاد قداح الحکمۃ، یعنی میمون یہودی تھا۔

رہے سات امام تو وہ علی، حسین، علی زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق، اسماعیل بن جعفر اور محمد بن اسماعیل ہیں۔ اکثر امور کا تعلق انھوں نے سات سے جوڑا ہے، چنانچہ انھوں نے کہا جسم میں کام کرنے والی جسمانی قوتیں سات ہیں، یعنی جذب کرنے والی، روکنے والی، ہضم کرنے والی، باہر پھینکنے والی، مقابلہ کرنے والی، بڑھانے والی اور صورت بنانے والی، اور جسم میں روحانی، حساس، خفیف اور باریک قوتیں بھی سات ہیں یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے، چھونے، بولنے اور سمجھنے کی قوت۔

نیز انھوں نے کہا: اسلام کے ستون بھی سات ہیں، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، ولایت اور امامت۔ اس لیے ایک قول کے مطابق ان اسماعیلیوں کو ''سبعیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ان کا قول ہے: ہر نبی کی شریعت کی ایک مدت ہوتی ہے جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک اور نبی بھیجتے ہیں جو اُس کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے۔ ہر نبی کی شریعت کی مدت سات عمریں ہے اور یہ سات صدیاں ہیں، ان میں سے پہلا نبی ناطق ہوتا ہے اور ناطق کا معنی ہے کہ اس کی شریعت اپنے ماقبل کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہوتی ہے اور صامت کا معنی ہے کہ وہ اس [شریعت] پر قائم ہو جس کی بنیاد کسی غیر نے رکھی ہو۔ [1]

---

[1] یہاں یہ بات قابل غور ہے:
''اس کی شریعت اپنے ماقبل کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہوتی ہے'' حالانکہ اوپر مذکور ہے: ''ان میں سے پہلا نبی ناطق ہوتا ہے، جب یہ پہلا ہو تو اس کا ماقبل کون سا ہوا؟

نیز انھوں نے کہا: ہر نبی کے لیے ایک سوس، یعنی اصل ہوتا ہے اور سوس نبی کی حیات میں اس کے علم کی طرف دروازہ ہوتا ہے، اس کی وفات کے بعد اس کا وصی اور اپنے زمانے میں موجود لوگوں کے لیے امام ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آدم کے سوس شیث علیہ السلام تھے اور یہ دوسرے تھے۔ اس کے بعد والے [تیسرے] کو مُتم، یعنی پورا کرنے والا اور لاحق، یعنی بعد میں آنے والا اور امام کہا جاتا ہے۔

آدم علیہ السلام کے دور کی تکمیل سات سے ہوئی کیونکہ اوپر والے جہاں کی تکمیل سات ستاروں سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی آگے [یہ دور چلتا آیا] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، آپ کے سوس حضرت علی ہیں، آپ کا دور جعفر بن محمد سے پورا ہو گیا کیونکہ دوسرے امام حسن بن علی ہیں اور تیسرے حسین بن علی اور چوتھے علی بن حسین پانچویں محمد بن علی اور چھٹے جعفر بن محمد ہیں اس [سوس] سے مل کر یہ سات پورے ہو گئے اور ان کی شریعت ناسخ ہو گئی ایسے ہی یہ معاملہ آخر تک گھومتا رہے گا۔

انکارِ قیامت کے بارہ میں سب باطنیہ کا قول ایک ہی ہے۔ انھوں نے نصوص میں آمدہ قیامت کی تاویل کی اور کہا یہ امام کے ظہور اور زمانہ کو قائم کرنے والے کے قیام کی طرف اشارہ ہے۔

نیز انھوں نے کہا: بیشک قیامت کا معنی دور کا ختم ہو جانا ہے، پھر انھوں نے جسموں کے دوبارہ اٹھنے اور جنت وجہنم کا انکار کر دیا اور کہا: معاد کا معنی ہر چیز کا اپنے اصل کی طرف لوٹ جانا ہے۔ انسان عالم روحانی اور عالم جسمانی سے مرکب ہے، [عالم] جسمانی تو اس کا جسم ہے اور وہ چار اخلاط، یعنی صفراء، سوداء، بلغم اور خون سے مرکب ہے، پس جسم گھل جاتا اور پگھل جاتا ہے اور ان اخلاط میں سے ہر ایک اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے، چنانچہ صفراء آگ، سوداء مٹی، خون، ہوا اور بلغم پانی بن جاتا ہے، یہی جسم کا لوٹنا ہے۔ رہا [عالم] روحانی اور وہ انسان کا عقل وادراک والا نفس ہے تو اگر وہ نیکیوں پر ہمیشگی کر کے صاف ہو جائے، شہوات سے دور رہ کر پاک ہو جائے اور راہنما ائمہ سے حاصل کردہ علوم ومعارف کے ذریعے غذا حاصل کر لے تو وہ جسم کو چھوڑ کر اس عالم

روحانی سے جاملتا ہے جس سے جدا ہوا تھا، پس وہ اس سے سعادت مند ہو جاتا ہے اور یہی اس کی جنت ہے۔ یہ مذہب بے شک ہندوؤں اور بدھوؤں کے مذہب سے ماخوذ ہے، اسی لیے یہ باطنی لوگ برہمنوں اور بدھوؤں کی طرح تناسخ ارواح کے قول پر متفق ہیں۔ انھوں نے مزدک اور زردشت کے پیروکاروں کی طرح ہر شے جائز قرار دے دی، ہر ممنوع کو مباح اور ہر حرام کو حلال کر لیا، لیکن وہ اس بات سے انکاری ہیں کہ یہ ان کا مذہب ہو اور وہ ثابت کرتے ہیں کہ احکام میں اس انداز پر شرع کے تابع ہونا ضروری ہے جس کی تشریح ان کے امام کریں، یہی بات ان پر فرض ہے۔ یہاں تک کہ وہ علوم میں درجہ کمال تک پہنچ جائیں، پھر اگر وہ امام کی طرف سے امور کے حقائق کا احاطہ کرلیں اور ان شرعی ظواہر کے باطن پر مطلع ہو جائیں تو ان سے یہ حدود و قیود کھل جائیں گی اور احکام ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ ان کی نگاہ میں احکام کا مقصد دل کی تنبیہ ہے تاکہ وہ طلب علم کے لیے اٹھے جب وہ یہ علم پالے گا تو اس سے احکام ساقط ہو جائیں گے ان کی نگاہ میں ظاہری اعضاء کو مکلّف بنانا اس آدمی کے لیے ہے جو اپنے جہل کی بنا پر ان گدھوں کی طرح ہے جن کی مشق مشقت کے کاموں سے ہی ہوسکتی ہے، رہے ذہین اور علم والے تو ان کا درجہ اس سے اونچا ہے کہ وہ [کسی کام کے] مکلّف بنائے جائیں، اس لیے ان سے احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسماعیلی گروہ کے رئیس آغا خان نے اپنے پیروکاروں سے نماز اور روزہ ساقط کر دیے ہیں اور ان کے بدلے ان کے لیے یہ عبادت جاری کی کہ وہ اسماعیلیہ کے اماموں میں سے اڑتالیس اماموں کا ذکر کریں، پھر آخر میں آغا خان کے نام کے ذکر کے وقت اس کو سجدہ کرلیا کریں۔

ان فرقوں کی اسلام دشمنی

جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس باطنی فرقہ کے اسلام اور اہل اسلام سے دشمنی کے مشہور واقعات ہیں۔ جب انھیں غلبہ حاصل ہوتا ہے تو اہل اسلام کے خون بہاتے ہیں۔ چنانچہ جب انھیں بحرین میں حکومت ملی اور جب یہ حج کے موقع پر مکہ تک رسائی

حاصل کر گئے تو حجاج کرام کو قتل کیا اور انھیں زمزم کے کنویں میں پھینک دیا اور حجرِ اسود کو اکھیڑ لیا جیسا کہ پیچھے گزرا اور مسلمانوں کے علماء، مشائخ، حکام اور اتنے فوجی مارے کہ جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

یہ ہمیشہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ہوتے ہیں، چنانچہ صلیبی جنگوں میں یہ عیسائیوں کے بڑے مددگار رہتے تھے۔ اس لیے صلیبی عیسائی شامی ساحلوں پر انھی کی طرف سے قابض ہوئے۔

اسلامی ممالک میں تاتاری بھی انھی کے تعاون سے داخل ہوئے، چنانچہ نصیر طوسی ان کا بڑا جاسوس تھا اور خلیفہ اس کے بارہ میں دھوکہ میں مبتلا تھا جوں ہی تاتاری بغداد میں داخل ہوئے نصیر طوسی نے انھیں خلیفہ بوقت اور ہزاروں مسلمانوں کے قتل پر آمادہ کیا، ان کے گھر مسمار کر دیے، بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا، پھر ان کی [باقی ماندہ] عورتوں میں سے جسے چاہا لونڈی بنایا اور انھیں رسوا اور ذلیل کیا۔

ان کی سب سے بڑی عید وہ دن ہے جس میں مسلمانوں کو کوئی بڑی مصیبت پہنچے جیسے عیسائیوں کے سواحل شام پر قبضے کا دن اور تاتاریوں کے بغداد پر قبضے کا دن، اسی طرح ان کی بڑی مصیبت وہ دن تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تاتاریوں پر غلبہ عطا فرمایا اور جس دن اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں اور عبیدیوں کو صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بھگایا۔

اسی طرح جب دور حاضر میں یہ لوگ شام میں حکومت تک رسائی حاصل کر گئے تو سب سے اہم بات جس کا وہ ارادہ کرتے تھے وہ شام میں اسلام کو پوری طرح ختم کرنا اور اس کے مسلمان باسیوں کا قلع قمع کرنا تھا۔

ایسے ہی یہ لوگ یہودیوں کے لشکر کے آگے آگے تھے جب انھوں نے بعض عربی ممالک، یعنی فلسطین میں دریائے اردن کے مغربی کنارہ پر اس جنگ میں قبضہ کیا جو آخر صفر 1387ھ کو ہوئی۔

ان کے بارہ میں اسلام کا فیصلہ

علماءِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ باطنیہ کافر دین سے خارج اور اسلام سے مرتد ہیں جیسا

کہ علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ نہ تو ان [کی عورتوں] سے نکاح جائز ہے اور نہ ان کے ذبح کردہ حیوان کا کھانا، نہ انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے اور نہ ان کی میت پر نماز جنازہ پڑھنی درست ہے، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی سرحدوں، ان کے قلعوں یا لشکروں میں انھیں کوئی کام نہ دیا جائے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس آدمی کی طرح ہے جو بکریاں چرانے کے لیے بھیڑیوں سے کام لے کیونکہ یہ لوگ حکام اور مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خائن ہیں اور حکومت خراب کرنے کے لیے سب سے زیادہ حریص ہیں۔''

جب یہ لوگ علانیہ توبہ کریں تو حکام کے ہاں اس کے معتبر ہونے کے بارہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان سے جہاد مرتدوں سے جہاد ہی کی طرح ہے اور ابو بکر صدیق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل کتاب کے کفار سے جہاد کرنے سے پہلے مرتدوں سے جہاد شروع کیا اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حسب استطاعت اس جہاد میں اپنا فرض ادا کرے۔

اس لیے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کی ایسی خبریں اور باتیں چھپائے جنھیں وہ جانتا ہے بلکہ انھیں افشا کرے اور ان کا اظہار کرے تاکہ لوگ ان کی حقیقتِ حال جان لیں اور مسلمانوں کو ان کا شر نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ تمام اعدائے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے مدد فرمائے۔ آمین آمین

خوارج

تعریف: لغوی لحاظ سے خوارج خارج کی جمع ہے، یعنی الگ تھلگ اور اصطلاحًا وہ آدمی جو اطاعت امام [کا پٹکا] اتار پھینکے، اور یہاں اس سے مراد ایک خاص گروہ ہے جس کی پہلی بغاوت خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی۔

خوارج کے مختلف نام ہیں، جیسے: محکمہ، شراۃ، حروریہ، نواصب اور مارقہ۔ محکمہ کا لفظ ان پر اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ بار بار کہتے تھے:

"لا حُكمَ اِلا لِلّٰه"

شُراۃ کا لفظ ان پر اس لیے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ انھوں نے اپنے نفسوں کو اللہ کے لیے بیچ دیا ہے، اس لیے کہ شراۃ شار [جو شریٰ یشری سے اسم فاعل ہے] کی جمع ہے جیسے قاضٍ کی جمع قضاۃ۔[1] حروریہ کا لفظ ان پر اس لیے بولا گیا کہ جب انھوں نے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بغاوت کی تو یہ لوگ کوفہ کے قریب حروراء (حاء اور پہلی را پر زبر ہے اور بعض کے ہاں اس پر پیش ہے) نامی بستی میں چلے گئے۔

انھیں نواصب اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دشمنی کھڑی کر دینے میں مبالغہ کیا، پھر یہ لقب ہر اس انسان کے ساتھ لازم ہو گیا جس نے دونو اسوں [حسن و حسین رضی اللہ عنہما] کے باپ امیر المؤمنین سے بغض میں غلو کیا۔ لوگوں نے ان پر "مارقہ" "پار ہونے والے"

---

[1] "قاضی کی جمع قضاۃ" سے مؤلف حفظه الله تعالیٰ و ثبته علی الحق نے جمع کے ایک قیاسی قاعدے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ ناقص خواہ واوی ہو یا یائی کے ثلاثی مجرد کے اسمِ فاعل کی جمع فُعَلَة کے وزن پر آتی ہے جیسے رام سے رُمَیۃ [رُماۃ] غاز سے غُزَیۃ [غُزاۃ].

کا اطلاق کیا جو اس مفہوم و مطلب کی بنا پر تھا جو انھوں نے رسول اللہ کے فرمان ''وہ دین سے اس طرح پار ہو جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے پار ہو جاتا ہے۔''[2] سے اخذ کیا ہے۔

خارجیوں کے مختلف فرقے بن گئے، ان میں سے ہر فرقے کا خاص نام پڑ گیا جیسے ازارقہ اور اباضیہ۔

فرقِ خوارج

خارجی سات بڑے اور بنیادی فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

المحکمۃ الاولیٰ، ازارقہ، نجدات، صفریہ، عجاردہ، اباضیہ اور ثعالبہ۔ ان فرقوں کی آگے مختلف فروع اور شاخیں ہیں، ان سب میں قدر مشترک حضرت علی، حضرت عثمان، اصحاب الجمل[2]، دونوں فیصلہ کرنے والوں، جو تحکیم پر راضی ہو گیا اور جس نے دونوں فیصلہ کرنے والوں یا ایک کو درست گردانا ان سب کی تکفیر پر متفق ہونا ہے، ایسے ہی وہ امام سے بغاوت کے وجوب پر۔ جب وہ ظلم کرے، خواہ ان کی نگاہ میں ہی وہ ظلم ہو، بھی متفق ہیں۔

مُحکّمہ اولیٰ

جب [جنگ] صفین میں خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور اہل شام میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے درمیان جنگ کی بھٹی تیز ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی شکست کے آثار محسوس کیے تو اپنے ساتھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کسی ایسی تدبیر کا مشورہ کیا جو ان سے شکست کی عار کو دور کر دے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں قرآن پاک کے نسخوں کو نیزوں کی انیوں پر [رکھ کر] بلند کرنے اور فریقین کے مابین

---

[1] صحیح البخاري، استتابة المرتدین......، باب قتل الخوارج والملحدین......، حدیث 6931,6930، وصحیح مسلم، الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، حدیث 1064.

[2] حضرت علی کو بہت سی جنگوں سے دوچار ہونا پڑا، ان میں حضرت معاویہ سے ''صفین'' مقام پر لڑی جانے والی جنگ ''جنگ صفین'' اور حضرت عائشہ سے لڑی جانے والی جنگ ''جنگ جمل'' کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس میں حضرت عائشہ جمل، یعنی اونٹ پر سوار تھیں۔

کتاب اللہ کو فیصل تسلیم کرنے کے مطالبہ کا مشورہ دیا، اس حیلہ نے خلیفہ راشد کے لشکر کی صفوف میں اپنا اثر دکھایا حتیٰ کہ اشعث بن قیس کندی اور اس کے ساتھ ایک جماعت نے آپ سے کہا۔ یہ اشعث آذربائیجان پر حضرت عثمان کا گورنر تھا۔: ''وہ لوگ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلا رہے ہیں جبکہ آپ ہمیں تلوار کی طرف بلا رہے ہیں'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں کتاب اللہ کو خوب جانتا ہوں! آپ نے اشارہ کیا کہ یہ ایک حیلہ ہے، یہ کہا اور اپنی فوج کو لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیا جبکہ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے جنگ روک دینے پر اصرار کیا اور حضرت علی سے کہا: آپ اشتر کو جنگ سے واپس بلا لیں ورنہ ہم آپ سے وہی سلوک کریں گے جو عثمان سے کیا۔ [اس طرح] حضرت علی اشتر نخعی کو جنگ روک دینے کا حکم دینے پر مجبور ہو گئے لیکن اشتر کے مد مقابل اہل شام کا لشکر شکست کھا گیا تھا اور تھوڑی سی جماعت مقابلہ میں لڑ رہی تھی، اس لیے انھوں نے خلیفہ سے لڑائی جاری رکھنے [کی اجازت] پر اصرار کیا تاکہ ان کے باقی فوجیوں کو بھی ختم کر دیں لیکن اشعث اور اس کے گروہ نے خلیفہ اور اشتر کو کوئی موقع نہ دیا بلکہ وہ ''تحکیم'' یعنی فیصل مان لینے کو لازماً قبول کرنے اور لڑائی روک دینے پر ڈٹ گئے تو حضرت علی اشتر کو لازماً لڑائی روکنے کا حکم دینے پر مجبور ہو گئے۔

جب لڑائی رک گئی اور انھوں نے تحکیم[1] کا ارادہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو چنا تاکہ وہ ان کی طرف سے فیصل بنیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنی طرف سے فیصل بنانا چاہا تو اشعث بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے انکار کیا اور کہا وہ آپ [کے خاندان] سے ہیں اور ضروری ہے کہ فیصل حضرت ابوموسیٰ اشعری ہوں۔ جب تحکیم کا وقت آیا اور دونوں فیصل دومۃ الجندل[2] نامی جگہ میں جمع ہوئے تو ان دونوں کی یہ میٹنگ کسی ایک متفق علیہ بات تک نہ پہنچی بلکہ حضرت عمرو بن عاص نے اعلان کر دیا کہ وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے

---

[1] حضرت معاویہ اور خلیفہ راشد کے مابین فیصلہ کے لیے مذکورہ دو صحابیوں کی تعیین کو اسلامی تاریخ ''تحکیم'' کے نام سے موسوم کرتی ہے۔

[2] بضم الدال، فتح الجیم والدال (القاموس، معجم ما استعجم ص2 1821)۔

حضرت علی و حضرت معاویہ دونوں کو معزول کرنے اور معاملے کو شوریٰ پر چھوڑ دینے پر موافقت نہیں کرتے، وہ تو حضرت علی کو معزول کرتے ہیں اور حضرت معاویہ کو برقرار رکھتے ہیں تب خلیفہ راشد پر ان خوارج کا غصہ بھڑک اٹھا اور انھوں نے حضرت علی سے کہا:

''آپ کس طرح مردوں کو فیصل مانتے ہیں؟ حالانکہ فیصلہ تو صرف اللہ کے لیے ہے'' پھر انھوں نے آپ سے باغی ہونے کا اظہار کیا اور آپ کو کافر قرار دیا۔ آپ کے ہمراہ کوفہ میں نہ داخل ہوئے بلکہ کوفہ سے قریب حروراء نامی بستی کی طرف چل دیے۔

[وہاں] انھوں نے شیث بن ربعی کو جنگ کے لیے اپنا امیر مقرر کر لیا اور عبداللہ بن کواء کو نمازوں کے لیے اپنا امام بنالیا [دین سے] ان پار ہونے والوں میں سے بہت سے لوگ ان [حروراء والوں] کے ساتھ مل گئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حروراء میں ان کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ آپ نے ان سے مباحثہ کیا لیکن اس کا بجز اس کے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ ان میں سے کچھ افراد خلیفہ کی اطاعت کی طرف آ گئے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ان کی طرف گئے اور انھیں اطاعت کے التزام کی دعوت دی، انھیں نصیحت کی اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا، آپ کی حجت ان پر واضح ہوگئی تو عبداللہ بن کواء یشکری نے دس شاہسواروں کے ہمراہ امان طلب کی، باقی نہروان کی طرف چل دیے، پھر اہل کوفہ و بصرہ کی ایک بڑی تعداد ان سے مل گئی اور وہ بارہ ہزار ہو گئے، انھوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔

نہروان کے راستے میں انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو ان سے بھاگ رہا تھا اور گلے میں قرآن لٹکائے ہوئے تھا۔ انھوں نے اسے گھیر لیا اور اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں صحابی رسول عبداللہ بن خباب بن ارت[1] ہوں۔ انھوں نے اس سے کہا ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ نے اپنے والد کے واسطہ سے آنحضور سے سنی ہو آپ نے کہا: میں نے اپنے والد

[1] بنی زہرہ کے حلیف ہیں، مدنی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انھیں شرف صحابیت حاصل ہے۔ تقریب التہذیب ص 172.

محترم سے سنا وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب فتنہ برپا ہوگا اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا رہے گا اور چلنے والا دوڑ دھوپ کرنے والے سے افضل ہوگا۔ جو انسان [اس وقت] مقتول بن سکے وہ قاتل نہ بنے۔ [1]

انھوں نے کہا: پھر ابوبکر وعمر کے بارہ میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ آپ نے ان کے بارہ میں اچھے خیالات کا اظہار کیا، پھر انھوں نے کہا: عثمان وعلی کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے ان کے بارہ میں بھی اچھے خیالات کا اظہار کیا، پھر انھوں نے کہا: تحکیم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا میں کہتا ہوں حضرت علی کتاب اللہ کو تم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اپنے دین کے بارہ میں بہت زیادہ محتاط تھے اور عقل کے لحاظ سے زیادہ تیز تھے۔ انھوں نے کہا آپ ہدایت کی اتباع نہیں کرتے، آپ تو آدمیوں [بلکہ ان] کے ناموں کی اتباع کرتے ہیں۔

پھر انھوں نے کہا: یہ جو آپ کے گلے میں ہے، یعنی قرآن مجید ہمیں آپ کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا جسے قرآن زندہ رکھے اسے زندہ چھوڑ دو اور جسے وہ مارے اسے مار دو، پھر انھوں نے آپ کو نہر کے قریب کیا اور ان میں سے ایک مسمع بن قذلی نامی بد بخت آدمی نے آپ کو ذبح کر دیا۔

ان لوگوں نے ایک عیسائی آدمی سے کھجور کے درخت کا سودا کیا۔ پھر نصرانی نے کہا یہ [ویسے ہی مفت میں] تمھارے لیے ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تو اسے صرف قیمتاً ہی لیں گے۔ اس نے کہا کس قدر تعجب انگیز ہے یہ بات کہ تم عبداللہ بن خباب جیسے آدمی کو قتل کر ڈالتے ہو اور ہم سے کھجور کا ایک پودا بھی قبول نہیں کرتے۔ پھر انھوں نے اس عیسائی کے بارہ میں باہم خیر کی وصیت کی [اور اسے کچھ نہ کہا] اور ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اپنے نبی کے عہد کی پاسداری کرو۔

---

[1] لعل الشيخ حفظه الله ذكره معنىً و معنى الحديث موجود في الكتب الستة ماعدا النسائي انظر صحيح البخاري،المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حديث:3601، وصحيح مسلم، الفتن، باب نزول الفتن......، حديث:2887.

پھر وہ حضرت عبداللہ بن خباب کے گھر میں داخل ہو گئے، ان کے بچے کو قتل کیا اور ان کی ام ولد [لونڈی] کا پیٹ چاک کر دیا۔ پھر جب وہ نہروان پہنچے اور یہ واسط اور بغداد کے درمیان کچھ بستیاں ہیں، تو ان میں پڑاؤ ڈال بیٹھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تک ان کی خبر پہنچی تو آپ اپنے چار ہزار ساتھیوں کو لے کر ان کی طرف چلے۔ آپ کے آگے آگے حاتم طائی کے بیٹے عدی تھے۔ وہ شعر پڑھتے ہوئے کہتے۔

جب قوم بزدل اور بے وقوف ہو گئی تو ہم گدھوں کی طرح لہرانے والے سچائی کے جھنڈوں کے ساتھ ان خارجیوں کی بری قوم کی طرف چلے جو جتھا بن گئے اور انھوں نے مشرقوں کے رب اور لوگوں کے معبود سے دشمنی کی، وہ باغی، اندھے اور ہدایت سے پار ہونے والے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی بات میں جھوٹا نظر آتا ہے۔

جب حضرت علی ان کے قریب ہوئے تو آپ نے انھیں پیغام بھیجا کہ عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کے قاتل کو ہمارے سپرد کرو، انھوں نے کہا ہم سب نے اسے قتل کیا ہے اور اگر ہمیں موقع ملا تو ہم آپ کو بھی قتل کر دیں گے۔

آپ ان سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ جنگ شروع ہونے سے قبل آپ نے ان سے پوچھا تم نے میرے اندر کیا عیب پایا؟ انھوں نے کہا آپ کا عیب یہ ہے کہ ہم نے جنگ جمل میں آپ کے آگے آگے لڑائی کی، جب جمل والے شکست کھا گئے تو آپ نے ہمارے لیے وہ سب مال جائز قرار دیا جو ہم نے ان کی چھاؤنی میں پایا اور آپ نے ہمیں ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنانے سے روک دیا، تو آپ نے کس طرح ان کے مالوں کو حلال سمجھ لیا اور عورتوں اور بچوں کو حلال نہ جانا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمھارے لیے ان کے مال اس مال کے بدلے جائز کیے جو انھوں نے میرے آنے سے قبل بصرہ کے بیت المال سے لوٹے تھے، رہی عورتیں اور بچے تو انھوں نے جنگ ہی نہیں کی اور اس جگہ کے دارالاسلام ہونے کی بنا پر ان کے لیے بھی اہل دار

الاسلام کا قانون تھا، پھر [بالفرض] اگر میں عورتیں جائز بھی کر دیتا تو تم میں سے کون اپنے حصے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قبضہ کرتا۔ وہ لوگ شرمسار ہوئے۔

پھر جب بھی انھوں نے اپنے باطل شبہات میں سے کوئی شبہ ذکر کیا تو حضرت علی نے کتاب و سنت کے سہارے اور موثر حجت ودلیل کے ذریعے اسے باطل ثابت کر دیا۔

آپ کے اس بیان نے ان میں اپنا اثر دکھایا اور ان میں سے اکثر نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے سچ فرمایا اور تائب ہو گئے۔ پھر ان میں سے آٹھ ہزار فوجی آپ کی طرف مائل ہو گئے جبکہ چار ہزار نے عبداللہ بن وہب راسبی اور اس کے معاون پستان نما گوشت والے حرقوص بن زہیر بجلی۔ اللہ تعالیٰ اس کی صورت بگاڑ دے۔ کی قیادت میں جنگ پر اصرار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توبہ کر کے آنے والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس جنگ سے ایک طرف رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور ان [دین سے] پار ہونے والوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے، پھر فریقین کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکے، خوارج کو شکست ہوئی وہ سب مارے گئے اور ان میں سے صرف نو آدمی بچے۔

رہے یہ نو آدمی تو ان میں سے دو اومان،[1] دو کرمان،[2] دو سجستان، دو جزیرہ اور ایک یمن میں تل مور کی طرف فرار ہو گیا جبکہ خلیفہ راشد کے لشکر میں سے صرف نو آدمی شہید ہوئے۔

معرکہ ختم ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عظیم ساتھیوں سے کہا کہ ''وہ پستان نما گوشت والا آدمی ڈھونڈو۔'' انھوں نے اسے مقتولین میں پایا۔ اس کے دائیں بازو کے نیچے بغل کے قریب عورت کے پستان جیسا گوشت تھا۔ تب آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔[3]

---

① بضم العین و خفة المیم سلطنت عمان جبکہ عمّان بفتح العین و تشدید المیم اردن کا دارالخلافہ ہے۔

② بفتح اوله واسکان ثانیه یہ ایران کا مشہور شہر ہے جہاں اس نام کا صوبہ بھی ہے۔ (فیروز اللغات فارسی ص 257) اس کا ذکر کتاب میں کئی بار آیا ہے۔

③ صحیح بخاری وغیرہ میں مذکورہ خوارج کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضور ﷺ نے اس پستان نما گوشت والے آدمی کا ذکر باطل پرست جماعت میں کیا تھا۔ صحیح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حدیث: 3610.

خلاصہ مذہب محکّمہ اولیٰ

① حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کو کافر قرار دینا۔ ایسے ہی جنگ جمل کے شرکاء، دونوں فیصلوں اور جو ان کے فیصلہ پر راضی ہوا یا ان دونوں یا ان میں سے ایک کو بھی درست قرار دیا ان سب کو کافر قرار دینا۔

② جب امام، خواہ ان کے خیال کے مطابق ہی، ظلم کرے تو اسے ہٹانے یا قتل کرنے کا وجوب۔

③ مسلمانوں کے لیے کسی وقت کوئی بھی امام و خلیفہ نہ ہونے کا جواز۔

④ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دینا۔

⑤ اس آدمی کو نکاح دینے یا لینے کی ممانعت جو حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ان لوگوں کو جنھیں یہ خارجی کافر سمجھتے ہیں کافر نہ گردانے۔

⑥ اپنے تمام مخالفین کو کافر قرار دینا۔

ازارقہ

یہ لوگ ابوراشد نافع بن ازرق بن قیس بن نہار حنفی[1] کے پیروکار ہیں۔ اس کا ابتدائی ظہور بصرہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے دور میں ہوا تھا، پھر اس کے ساتھ قطری بن فجاءۃ[2] مازنی تمیمی، عبیداللہ بن ماحوز تمیمی، عبیدہ بن ہلال یشکری، اناروں کا سوداگر عبداللہ الکبیر اور بچوں کا معلم عبدربہ الصغیر بھی آ ملے۔

یہ سب عمان اور یمامہ کے ان خارجیوں کو لے کر جوان سے آ ملے تھے اہواز کی طرف روانہ ہوئے، ان کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز تھی، انھوں نے اہواز پر قبضہ کیا اور اس کے گورنر کو قتل کر دیا، پھر اس سے متصل بلاد فارس اور کرمان پر قبضہ کر لیا اور ان علاقوں کے گورنروں کو بھی قتل کر دیا اور نافع بن ازرق کو اپنا امیر بنا لیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن زبیر نے بصرہ میں اپنے عامل عبیداللہ بن حارث نوفلی یا خزاعی کو ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے اپنی فوجوں کے جرنیل مسلم بن عنبس یا ابن عنبسہ کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ اہواز میں ان کی مڈبھیڑ ہوئی، بصرہ کے لشکر کے امیر مسلم اور اس کے اکثر ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا تو امیر بصرہ نے دو ہزار فوجیوں کا ایک اور لشکر عمر بن عبیداللہ بن معمر تمیمی یا عثمان بن عبداللہ بن معمر تمیمی کی زیر کمان ان [خارجیوں] کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے اسے بھی شکست سے دوچار کیا اور اس کے کمانڈر کو شہید کر دیا۔

---

[1] حنفی کا لفظ سنتے ہی ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ شاید یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مقلد ہی ہے جبکہ یہ باتیں تو امام صاحب کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہیں، دراصل یہ نسبت بنوحنیفہ کی طرف ہے جو بکر بن وائل قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ اس نسبت کے بہت سے آدمیوں کے نام کتاب میں آئے ہیں۔

[2] بفتح القاف والطاء، والفاء مضمومة شاعر تميمي له ذكر في الحماسة توفي 78ھ (المنجد في الأعلام ص 554).

پھر امیر بصرہ نے حارثہ بن بدر کی قیادت میں ایک اور لشکر روانہ کیا۔ ان خوارج نے اسے بھی شکست دے دی۔

65ھ میں ان کی قوت و طاقت بہت بڑھ گئی اور خود اہل بصرہ کو ان سے خطرہ لاحق ہو گیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مہلب بن ابی صفرہ ازدی کو جو خراسان میں تھے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور انھیں اہواز اور اس سے متصل بلاد فارس اور کرمان کی گورنری سونپ دی۔

مہلب نے بصرہ جا کر وہاں کی فوج میں سے دس ہزار فوجی چن لیے، پھر ان کے اپنے قبیلے کے دس ہزار فوجی بھی ان سے مل گئے، وہ انھیں لے کر اہواز روانہ ہوئے جہاں ازارقہ سے ان کا سامنا ہوا، انھوں نے انھیں شکست دے کر اہواز کے [بیرونی مقام] دولاب سے دھکیل کر اہواز پہنچا دیا۔

اس شکست میں ان کا امیر نافع بن ازرق مارا گیا۔ اس کے بعد ازارقہ نے عبداللہ بن ماحوز تمیمی کی بیعت کر لی اور اسے اپنا امیر بنا لیا۔ مہلب نے اہواز میں ان کا پیچھا کیا اور ان کے امیر کو ازارقہ کے تین سو سر کردہ افراد سمیت قتل کر دیا۔ باقی بھاگ گئے اور انھوں نے قطری بن فجاءہ مازنی تمیمی کو اپنا امیر مقرر کر لیا اور اسے خلیفہ اور امیر المؤمنین کے لقب دیئے۔

یہ قطری بلا کا شجاع اور ایسے ڈراؤنے منظر والا تھا کہ جب وہ اپنا چہرہ کھولتا تو اسے دیکھ کر بعض اوقات اس کا مدمقابل بھاگ کھڑا ہوتا، یہ وہی قطری بن فجاءہ ہے جو کہتا ہے۔

میں اس [نفس] سے کہتا ہوں جب کہ وہ [بہادروں کے خوف سے] شعاع کی طرح اڑا جا رہا ہے۔ تو تباہ ہو جائے مت گھبرا۔ موت کے میدان میں بار بار صبر سے کام لے کیونکہ ہمیشگی کی زندگی کا پانا کسی کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہمیشگی کی زندگی کا کپڑا کوئی عزت کا لباس ہے کہ وہ ذلیل و بزدل سے چھین لیا جائے [اور صرف معززوں اور بہادروں کو عطا ہو] موت کا راستہ ہر زندہ کی انتہا ہے کیونکہ اس کی طرف پکارنے والا سب دنیا کو پکارنے والا ہے۔ آدمی کے لیے زندگی میں جب کہ اس کا شمار گھٹیا اور فالتو سامان میں ہو، کوئی بھلائی نہیں۔ [1]

---

[1] کتاب الحماسۃ باب الحماسہ ص 29۔

لیکن مہلب ان سے جنگ کرتا رہا اور لڑائی ان کے مابین بھرا ڈول[1] بنی رہی، پھر خارجیوں نے ملک فارس میں مقامِ ''سابور'' کو اپنا مقامِ ہجرت بنالیا۔

مہلب ایک خاص انداز سے ان کی صفوں کے اندر عداوت ومخالفت کے بیج بونے کا کام کرتا رہا، چنانچہ ایک مرتبہ اس نے ایک عیسائی کو ان میں بھیج دیا اور اس کے لیے ایک بڑا انعام مقرر کیا، اس سے کہا جب تو قطری کو دیکھے تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا، جب وہ تجھے منع کرے تو اس سے کہنا: میں نے تو آپ کو ہی سجدہ کیا ہے۔

جب وہ عیسائی گیا اور اس نے ایسا ہی کیا تو قطری نے کہا سجدہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے [روا] ہے، عیسائی نے کہا میں نے تو صرف آپ کو ہی سجدہ کیا ہے، اس پر ایک خارجی اٹھا اور اس نے قطری سے کہا: اس نے اللہ کو چھوڑ کر آپ کی عبادت کی ہے اور ساتھ ہی یہ آیت پڑھ دی:

﴿اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ﴾[2]

''یعنی یقیناً تم اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں تم اس میں وارد ہونے والے ہو''

قطری نے کہا ٹھیک ہے، عیسائیوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی لیکن اس سے عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا، پھر ایک خارجی اس عیسائی کی طرف اٹھا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قطری نے اس پر اعتراض کیا تو خارجیوں کی ایک جماعت نے قطری کے اس اعتراضِ قتل پر اعتراض اٹھا دیا۔

[اسی طرح] مہلب کو ایک دفعہ معلوم ہوا کہ ازارقہ کا ایک لوہار زہر آلود نیزے اور تیر بناتا ہے، پھر ان سے مہلب کے ساتھیوں پر حملہ کیا جاتا ہے تو اس نے اپنا ایک آدمی ایک خط اور اس کے ساتھ ایک ہزار دینار [کی تھیلی] دے کر قطری کے لشکر کی طرف روانہ کیا اور اس سے کہا یہ خط بمعہ یہ ہزار دینار قطری کی چھاؤنی میں پھینک کر روپوش ہو جانا۔ مہلب نے اس خط میں لوہار کو لکھا

[1] یہ عربوں کا محاورہ ہے یعنی کبھی ہم غالب رہے اور وہ مغلوب اور کبھی وہ غالب رہے اور ہم مغلوب۔

[2] انبیاء 21:98.

تھا: اما بعد آپ کے تیر اور نیزے وصول ہو گئے یہ ایک ہزار دینار بھیج رہا ہوں وصول کر لیں اور ہمیں مزید تیر اور نیزے بھیج دیں۔

جب یہ خط وہاں پہنچا اور بعض فوجیوں کے ہاتھ لگا اور انھوں نے یہ قطری کے سامنے پیش کیا تو قطری نے لوہار کو بلایا اور اس سے کہا: یہ خط کیسا ہے؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ قطری نے کہا اور یہ درہم کس کی طرف سے ہیں؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ قطری نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ پھر عبدربہ الصغیر اٹھا اور اس نے قطری کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ قطری نے اس سے کہا: امام کو حق ہے کہ جو مناسب سمجھے فیصلہ کر دے، رعایا کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔

انھی خواہشات واختلافات نے قطری کے پیروکاروں میں تفرقہ ڈال دیا۔ چنانچہ عبدربہ الکبیر سات ہزار آدمی لے کر اور عبدربہ الصغیر چار ہزار آدمی لے کر الگ ہو گیا۔ عبیدہ بن ہلال یشکری بھی اسے چھوڑ کر قومس[1] چلا گیا اور قطری دس ہزار سے زائد آدمیوں کے ہمراہ ملک فارس میں رہ گیا۔ مہلب نے اس سے پھر جنگ کی حتیٰ کہ اسے شکست دے کر کرمان کے علاقہ کی طرف بھگا دیا۔ پھر اس نے کرمان میں بھی اس سے جنگ کی حتیٰ کہ اسے ''رے'' کی طرف بھگا دیا۔ اس کے بعد اس نے عبدربہ الکبیر سے جنگ لڑی اور اس کا کام بھی تمام کر دیا اور اپنے بیٹے یزید بن مہلب کو عبدربہ الصغیر کی طرف روانہ کیا، اس نے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قصہ تمام کر دیا۔

جب حجاج عراق کا حکمران بنا تو اس نے سفیان بن اُبیر دکلبی کی قیادت میں ایک لشکر قطری بن فجاءہ کی طرف روانہ کیا۔ وہ ''رے'' سے طبرستان[2] چلا گیا تھا۔ انھوں نے اسے وہیں قتل کیا اور اس کا سر حجاج کی طرف بھیج دیا، پھر یہ سفیان قومس میں عبیدہ کی طرف چلا گیا، وہاں کے قلعہ میں اس کا محاصرہ کیا، پھر اسے اس کے پیروکاروں سمیت قتل کر دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ازارقہ کے شر سے محفوظ فرما دیا۔

---

[1] بضم اولہ و بالمیم المکسورۃ بعد ھا سین ملک فارس میں ایک مشہور مقام کا نام ہے۔

[2] بفتح اولہ و ثانیہ واسکان الراء المھملۃ و فتح السین مشہور شہر کا نام (معجم ما استعجم ص 2 1551)

اور یہ بھی یاد رہے کہ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ازارقہ خارجیوں کے فرقوں میں سے نہایت جری و بہادر اور خودداری و دادرسی میں سب سے بڑھ کر تھے۔

خلاصہ مذہب ازارقہ

① اس امت میں سے اپنے مخالفین کے بارہ میں یہ فیصلہ کہ وہ مشرک ہیں جبکہ محکمۂ اولیٰ کہا کرتا تھا وہ کفار ہیں مشرک نہیں۔

② ان کی طرف ہجرت نہ کرنا شرک ہے اگرچہ ہجرت نہ کرنے والا ان کا ہم خیال ہی ہو۔

③ جو آدمی ان کی طرف ہجرت کے مقصد سے آئے اس کا امتحان واجب ہے اور امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالفین میں سے کوئی قیدی قتل کرنے کے لیے اسے پیش کیا جائے اگر وہ اسے قتل کر دیتا [تو صحیح] ورنہ وہ اسے منافق سمجھ کر قتل کر دیتے۔

④ اپنے مخالفین کی عورتوں اور بچوں کا قتل اس دعویٰ سے جائز سمجھنا کہ وہ مشرک ہیں۔

⑤ اپنے مخالفین کے بچوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ابدی جہنمی ہیں۔

⑥ اپنے مخالفین کے ملک کو دارِ کفر سمجھنا۔

⑦ شادی شدہ زانی سے رجم کی سزا ختم کر دینا۔

⑧ پاکباز آدمی پر بہتان لگانے والے سے حد قذف ختم کر دینا۔

⑨ ان کے ہاں انبیاء کرام کا قبل از بعثت و بعد از بعثت کافر ہونے کا امکان موجود ہے۔

⑩ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے اور ملت سے خارج۔

⑪ ان کے مخالفین کے ساتھ جو اہل ذمہ رہتے ہیں ان کے خون اس دعویٰ کی بنیاد پر مباح نہیں کہ اس طرح وہ نبی کریم کے عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

⑫ چور کا ہاتھ کندھے سے کاٹا جائے گا۔

⑬ ان میں سے اکثر اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ پر دورانِ حیض نماز اور روزہ فرض ہے اور

بعض کہتے ہیں کہ حائضہ روزے کی طرح نماز کی بھی قضا دے گی۔

⑭ قول و فعل میں تقیہ کرنا حرام ہے۔

⑮ پھر ان کا خیال ہے کہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ الی قولہ ﴿الْفَسَادَ﴾ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوا۔

⑯ نیز ان کا گمان ہے کہ آیت:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ ②

"بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جستجو میں بیچ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے۔"

اس عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے بارہ میں نازل ہوئی۔ والعیاذ باللہ۔ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

① البقرہ 2: 201 . ② البقرہ 2: 207 .

نجدات

یہ نجدہ بن عامر بن عبداللہ بن ساد بن مفرج حنفی کے پیروکار ہیں۔ نجدہ نے نافع بن ازرق حنفی، عبداللہ بن اباض تمیمی، عبیداللہ بن صفار سعدی، نیز عطیہ بن اسود حنفی، بنی بکر کے ایک شخص ابوطالوت، ابوفدیک عبداللہ بن ثور بن قیس بن ثعلبہ، عبیدہ بن ہلال یشکری اور کچھ دیگر خارجیوں کے ہمراہ اس وقت ایک میٹنگ کی جب انھیں معلوم ہوا کہ اہل شام کے لشکروں نے مکہ میں عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرلیا ہے، انھوں نے اہل شام سے مکہ کی حفاظت اور عبداللہ بن زبیر کی نصرت وحمایت کے لیے مکہ جانے کا فیصلہ کیا بشرطیکہ وہ ان کے مذہب کی موافقت کریں۔ جب یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو عبداللہ بن زبیر نے ان کے لیے خوشی کا اظہار کیا، یہ بھی آپ سے خوش ہوئے اور سمجھنے لگے کہ آپ ان کے مذہب پر ہی ہیں۔

مکہ سے اموی لشکروں کے بادل چھٹ جانے کے بعد انھوں نے اپنے بارہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی حقیقی رائے معلوم کرنے کے لیے انھیں آزمانا چاہا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر وعمر کے بارہ میں آپ کی رائے پوچھی۔ آپ نے ان شیخین کے بارہ میں اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے، پھر انھوں نے کہا: یہ عثمان بن عفان ہیں۔ انھوں نے کیا جو کچھ کیا حتیٰ کہ کچھ آدمی آپ کی طرف اٹھے اور آپ کو قتل کردیا ہم ان قاتلوں کے دوست اور ان کے حمایتیوں سے بیزار ہیں، ابن زبیر! آپ کا کیا خیال ہے؟ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مجھے کوئی ایسا آدمی معلوم نہیں جو ابن عفان اور ان کے معاملہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو۔ [سنو!] میں آپ کے ساتھ تھا جب انھوں نے آپ پر اعتراض کیا اور اس بارہ میں آپ سے تسلی چاہی تو آپ نے ہر طرح سے ان کی تسلی کرادی وہ منتشر ہو گئے

[لیکن] پھر ایک خط لے کر واپس آ گئے اور کہنے لگے اس میں آپ نے ہمارے قتل کا حکم دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ میں نے نہیں لکھا اگر تم چاہتے ہو تو اپنا ثبوت پیش کرو اور اگر تمھیں ثبوت نہ ملے تو میں قسم اٹھا سکتا ہوں۔'' اللہ کی قسم! پھر نہ تو وہ کوئی ثبوت پیش کر سکے اور نہ آپ سے قسم لی بلکہ آپ پر پل پڑے اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ اور [سنو!] میں تمھیں اور جو میرے پاس موجود ہیں سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ''میں ابن عفان کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں، اللہ تم سے بیزار رہو۔'' پھر وہ آپ کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔

اس کے بعد نافع بن ازرق، عبداللہ بن صفار سعدی، عبداللہ بن اباض تمیمی اور کچھ دیگر افراد بصرہ چلے گئے، جبکہ ابوطالوت اور کچھ دیگر افراد یمامہ روانہ ہو گئے، پھر نافع بن ازرق نے بصرہ میں بغاوت کی جیسا کہ ہم ازارقہ پر نوٹ میں لکھ آئے ہیں، اور ابوطالوت یمامہ میں باغی بن گیا، رہا نجدہ تو بعض رواۃ ذکر کرتے ہیں کہ یہ ان لوگوں میں تھا جو ابوطالوت کے ہمراہ یمامہ چلے گئے۔ انھوں نے اس کی مدد کی حتیٰ کہ وہ اس پر قابض ہو گیا۔

66 ھ میں یمامہ کے خارجیوں نے خیال کیا کہ ابوطالوت کی نسبت نجدہ بہتر ہے تو انھوں نے ابوطالوت کی بیعت توڑ کر نجدہ کی بیعت کر لی اور اسے ''امیر المؤمنین'' کا لقب دیا، نجدہ اس وقت تیس سال کا تھا، ایسے ہی ابوطالوت نے بھی اس کی بیعت کر لی۔

نجدہ نے اہل ذی المجاز سے جنگ کی اور انھیں خوب تہ تیغ کیا، پھر یمامہ آیا وہاں سے بحرین گیا جہاں قطیف [نامی شہر] میں بنی عبدالقیس سے اس کا سامنا ہوا۔ انھیں بھی خوب تہ تیغ کیا اور جو ہاتھ لگا اسے غلام بنالیا۔ نجدہ بحرین میں ایک عرصہ مقیم رہا۔

ابوفدیک اور عطیہ بن اسود حنفی جو نافع بن ازرق کو اس کے بعض نئے خیالات کی وجہ سے بصرہ میں چھوڑ آئے تھے، اس نجدہ کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے اور [یہ بھی] کہا جاتا ہے کہ ابوفدیک اور عطیہ ان لوگوں میں سے تھے جو ابوطالوت کے ہمراہ مکہ سے یمامہ آئے تھے اور نافع بن ازرق کے ہمراہ بصرہ نہیں گئے تھے۔

نجدہ نے اُومان کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور عطیہ بن اسود حنفی کو اس کا امیر مقرر کیا۔ عطیہ نے اومان پر قبضہ کرلیا، پھر وہاں سے واپس آ گیا اور اپنے کسی ساتھی کو اپنا نائب مقرر کر آیا، اہل اومان نے بغاوت کر دی اور خوارج کے امیر کو قتل کر ڈالا، پھر عطیہ نجدہ سے باغی ہو کر اومان چلا گیا تا کہ اس پر قبضہ کرلے لیکن وہ اسے واپس لینے میں ناکام رہا اور کرمان جا کر اس پر قبضہ کرلیا، یہ کرمان میں ہی مقیم رہا تا آنکہ مہلب بن ابی صفرہ کے لشکر اچانک اس پر حملہ آور ہوئے تو یہ کرمان سے بھاگ کر بجستان چلا گیا، وہاں مقیم رہا اور اپنا سکہ ''درہم عطوی'' جاری کیا۔ پھر مہلب کے لشکروں نے اس کا پیچھا کیا، یہ سندھ فرار ہو گیا۔ مہلب کے شاہسواروں نے اسے وہاں سے بھی ڈھونڈ نکالا اور قتل کر دیا۔ اس کے پیروکاروں کو عطویہ کہا جاتا ہے۔

نجدہ سے عطیہ کی بغاوت کا سبب اس کے یہ اعتراضات بنے

① نجدہ نے ایک دستہ برّ اور دوسرا دستہ بحر کی طرف روانہ کیا، پھر بحر کے دستہ کو برّ کے دستہ سے زیادہ مال دیا۔

② عبدالملک بن مروان نے نجدہ سے خط و کتابت کر کے اسے اپنی اطاعت اور [اس پر] یمامہ کی حکومت سنبھالنے کی دعوت دی۔ عطیہ نے کہا اس نے آپ سے صرف اسی لیے خط و کتابت [کی جرأت] کی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ آپ اپنے دین کے بارہ میں کمزور ہیں۔

③ نجدہ کے لشکر میں ایک آدمی شراب نوشی کرتا تھا۔ عطیہ نے اس پر حد قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ نجدہ نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ یہ دشمنوں پر اپنی سخت گیری میں مشہور ہے۔ نجدہ نے عطیہ کی بات پر کان نہ دھرا تو عطیہ مخالف ہو گیا اور اس کی بغاوت کر دی، پھر نجدہ صنعاء گیا تو اہل صنعاء [یمن] نے اس کی بیعت کر لی اور وہ وہاں کے صدقات پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ابوفدیک کو حضر موت [شہر] بھیجا جہاں سے وہ صدقات جمع کر کے لایا، پھر 68ھ یا 69ھ میں نجدہ نے اپنے پیروکاروں کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ حج کیا اور ابن زبیر سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائے گا اور وقوف

عرفہ کروائے گا اور بعض بعض کے درپے آزار نہیں ہوں گے۔

جب حج پورا ہوگیا تو نجدہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اہل مدینہ بھی اس جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ جب نجدہ کو یہ خبریں پہنچیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی ہے اور وہ نجدہ اور اس کے پیروکاروں سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو نجدہ طائف کی طرف مڑ گیا جہاں اہل طائف نے اس کی بیعت کر لی، پھر اس نے بحرین کا رخ کیا اور بحرین و یمامہ سے جو غلہ اہل حرمین کو بھیجا جاتا تھا وہ بند کر دیا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے خط و کتابت کی جس پر اس نے وہ بحال کر دیا۔

ان علاقوں پر اس کا تسلط قائم رہا تا آنکہ اس کا اپنے ساتھیوں سے کچھ امور کی بنا پر۔ جن کا انھیں اس پر اعتراض تھا۔ اختلاف ہو گیا [جو درج ذیل ہیں]:

① اس نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی کو جو طائف میں اپنے رشتہ داروں کے پاس تھیں قید کر لیا، پھر عبدالملک بن مروان یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے خط لکھا تو اس نے اسے رہا کر دیا، اس سے اس کے ساتھی غضبناک ہو گئے۔ انھوں نے اس سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس [لڑکی] کو ان کے ہاتھ فروخت کر دے، اس نے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا میں نے اس میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے۔[1] انھوں نے کہا ہم اس سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اس نے کہا وہ اپنے نفس کی خود مالکہ ہے [اس لیے] اس کی رضامندی ضروری ہے، وہ اس کے پاس اندر گیا اور پھر باہر آ کر کہا وہ نکاح سے انکاری ہے، پھر اس نے اسے مدینہ روانہ کر دیا جس سے اس کے ساتھی سمجھے کہ اس نے عبدالملک یا ابن زبیر کے ڈر سے یہ کام کیا ہے۔

---

① یہ اس لیے کہ غلام کا اگر کچھ حصہ آزاد ہو جائے تو اس کی بیع منع ہے بلکہ وہ پورا آزاد کرنا پڑے گا، چنانچہ کتب حدیث میں ہے: (مَن اَعتقَ شِرکاً لَّه في مملوكٍ فعليهِ عِتقه كلّه ......الحديث) یعنی جس نے کسی غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اسے پورا غلام آزاد کرنا پڑے گا یعنی اس کے مال میں سے یک مشت یا تدریجاً باقی قیمت ادا ہوگی۔

صحيح البخاري، العتق، باب اذا أعتق عَبْدًا بيْن اثنين......، حديث 2523.

② اس نے ایک دستہ قطیف کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے اس پر حملہ کیا اور وہاں سے عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا، پھر [مالِ غنیمت کی حقیقی] تقسیم سے قبل ہی عورتوں کی از خود قیمت لگا کر انھیں باہم تقسیم کرلیا اور ان سے ہم بستری بھی کر لی۔ پھر کہنے لگے کہ اگر ان کی قیمت مالِ غنیمت میں سے ہمارے حصہ سے زیادہ ہوئی تو وہ ''زیادہ'' ہم ادا کر دیں گے۔

اب جب وہ نجدہ کے پاس واپس آئے تو اس نے انھیں خطا کار قرار دیا لیکن معذور بھی گردانا، وہ اس طرح کہ اس نے ان سے کہا: عقائد دین میں بے علمی کی بنا پر کسی کو معذور نہیں سمجھا جاتا، رہے حلال وحرام تو ان سے بے علمی و جہالت باعث عذر ہے۔

اسی طرح اس نے انھیں یہ فتویٰ بھی دیا کہ جو آدمی غلطی کرنے والے مجتہد پر صحیح دلیل ثابت ہونے سے قبل عذاب کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔

یہ واقعات اور وہ فتاویٰ اس کے بہت سے پیروکاروں کے لیے اس کے خلاف بھڑک اٹھنے کا سبب بنے، چنانچہ ان میں سے ایک گروہ اٹھا اور اس نے نجدہ کی بیعت توڑ کر ابوفدیک کی بیعت کر لی۔ نجدہ ''ہجر'' کی بستیوں میں سے ایک بستی میں جا چھپا ابوفدیک نے اسے ڈھونڈنے کے لیے آدمی بھیجے۔ انھوں نے اسے تلاش کرلیا اور 69ھ یا 72ھ میں قتل کر دیا۔

لیکن اس [نجدہ] کے پیروکاروں میں سے ایک جماعت نے ابوفدیک پر اس بات کا اعتراض کیا اور نجدہ کو معذور جانا تو ابوفدیک کے ساتھیوں کو ''فدیکیہ'' اور جو نجدہ سے تعاون پر قائم رہے انھیں ''نجدات عاذریہ'' کہا جانے لگا، لیکن عطویہ اور فدیکیہ کا کوئی خاص مذہب، بجز ان کے نجدہ پر اعتراض کرنے اور اسے چھوڑ جانے کے مشہور نہ ہوا۔

ابوفدیک بحرین میں مقیم رہا حتیٰ کہ بصرہ اور کوفہ سے عبدالملک بن مروان کے بھیجے ہوئے لشکروں نے اچانک حملہ کر دیا۔ 73ھ میں سخت جنگ کے بعد ابوفدیک مارا گیا۔ انھوں نے اس کے لشکر کا قلع قمع کیا اور اس کے ساتھیوں کو ''مشقر''[1] میں گھیر لیا، پھر ان میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا

---

[1] مُشقَّر بضم أوله و فتح ثانيه بعده قاف مشددة مفتوحة و راء مهملة بحرین میں ایک عظیم محل کا نام
معجم ما استعجم: 97/2 .

اور ایک بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے آرام و سکون بخشا۔

خلاصہ مذہب نجدات

① ان [خارجیوں] میں سے ہجرت کر کے ان کی طرف نہ آنے والوں کو کافر قرار دینے والوں کو کافر قرار دینا۔

② نافع بن ازرق کی امامت کے قائلین کو کافر قرار دینا۔

③ اپنے ہم مذہبوں میں سے حدود کے مرتکبین سے نرمی برتنا اور دوستی کرنا۔

④ ان کے ہم مذہب لوگوں میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا اور اگر [بالفرض] انھیں عذاب دیا گیا تو جہنم کی آتش کے بغیر ہوگا۔

⑤ عبدالقاہر بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ نجدہ نے شراب کی حد ختم کر دی تھی جبکہ شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ اس نے شراب کی حد کے بارہ میں لوگوں پر بہت سختی کی تھی۔

⑥ صغیرہ گناہوں پر مداومت شرک ہے جبکہ چوری، زنا اور شراب نوشی کا ارتکاب دوام کے بغیر شرک نہیں بشرطیکہ ان کا مرتکب ان کا ہم مذہب ہو۔

⑦ غلطی کرنے والے مجتہد پر صحیح دلیل ثابت ہونے سے پہلے جو کوئی عذاب کا اندیشہ کھائے وہ کافر ہے۔

⑧ لوگ کسی بھی وقت امام، یعنی خلیفہ کے محتاج نہیں ہوتے (یہ قول محکمہ کا بھی ہے)

⑨ ان اہل ذمہ کے خون مباح ہیں جو ان کے مخالفین کے ساتھ رہتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے خون بھی جائز ہیں جو ہیں تو ان کے مخالفین میں سے مگر ان کی حفاظت میں رہ رہے ہیں۔

⑩ جوازِ تقیہ۔ وہ یہ کہ خارجی اپنے مخالفین کے سامنے جان بچانے کی خاطر یہ ظاہر کرے کہ وہ انھی میں سے ہے اور اپنے عقیدہ کو اس وقت تک مخفی رکھے جب تک کہ وہ اپنے مخالفین پر حملہ کے لیے ٹوٹ نہ پڑے۔

صُفریہ

اکثر لوگ صُفریہ کے صاد پر پیش پڑھتے ہیں۔ اہل علم کا ان کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔
چنانچہ بعض کا کہنا ہے کہ انھیں صفریہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ عبداللہ بن صفار سعدی کے پیروکار ہیں جو اس جماعت کا ایک فرد تھا جو نافع بن ازرق کے اس وقت ہمراہ تھی جب وہ مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے جدا ہو کر بصرہ گیا، پھر جب نافع نے بصرہ میں خروج کیا تو اس نے نافع کا ساتھ نہ دیا بلکہ وہیں بیٹھ رہا۔ تو یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھیں نافع نے پیچھے بیٹھ رہنے کی بنا پر کافر قرار دیا، بنابریں صفریہ پر ''القَعَدہ'' یا ''القُعَد'' کا نام غالب آ گیا۔
اور بعض کا کہنا ہے کہ انھیں صفریہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے زیاد بن اصفر کی پیروی اختیار کر لی، اور بعض کا کہنا ہے کہ سخت عبادت اور بیداری کی وجہ سے ان کے رنگوں کی زردی کی بنا پر انھیں صفریہ کہا گیا۔
بعض لوگ ''صفریہ'' کے صاد کے نیچے زیر پڑھتے ہیں، گویا کہ وہ اس سے یہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ دین کے بارہ میں صفر ہیں [یہ معنی] قائل کے قول ''اَصْفَرَ فلانٌ'' سے ماخوذ ہے، یعنی وہ فقیر ہو گیا، یا آپ کے قول ''اصفرتُ البیتَ'' سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے گھر خالی کر دیا، اسی سے عربوں کا مقولہ ہے: ''فُلانٌ صفر الیدین'' فلاں خالی ہاتھ ہے اس کے پاس کچھ نہیں۔
ہمارے خیال میں صحیح بات یہ ہے کہ ان کا نام 'صُفریہ' صاد کے پیش کے ساتھ ہے، ان کے چہروں کی اس زردی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے جو اس عبادت کے نشان کی وجہ سے تھی جسے انھوں نے بتکلف اختیار کیا تھا کیونکہ یقیناً یہ وصف ان پر غالب ہے، اسی طرح لوگ متفق ہیں کہ ان کا بڑا امام ابو بلال مرداس بن اُدیّہ[1] تھا۔ یہ مرداس 61ھ میں قتل ہو گیا تھا۔ کما سیأتی

[1] بضم الهمزة و تشديد الياء مصغرًا والظاهر أنه اسم أمه و اسم أبيه "حدير" كماسيأتي قريبا۔

تو یہ وصف ان کے لیے عبداللہ بن صفار یا زیاد بن اصفر کی سرداری کے دعویٰ سے قبل ہی ثابت ہے۔[1] خصوصاً جبکہ ان دونوں آدمیوں نے خوارج کے اس فرقہ میں کوئی قابل ذکر کام بھی انجام نہیں دیا، ہماری اس ترجیح کی تائید ابن عاصم لیثی کے [درج ذیل] قول سے بھی ہوتی ہے۔ یہ خارجی تھا، پھر مرجئی بن گیا۔

''میں نے نجدہ، ازارقہ بن جانے والوں اور ابن زبیر اور جھوٹ کے مددگاروں [سب] کو چھوڑ دیا۔ اور [ایسے ہی] ان زرد کانوں والوں کو چھوڑ دیا جنھوں نے اعتماد اور کتاب کے بغیر دین اختیار کیا۔''

ظاہر بات یہ ہے کہ صفریہ کا اطلاق اسی طرح ان تمام خارجیوں پر بھی ہوتا ہے جو نہروان میں محکمہ اولیٰ کے رئیس عبداللہ بن وہب راسبی سے دوستی رکھتے تھے۔ اور لوگ متفق ہیں کہ صفریہ سے الگ ہونے والا پہلا آدمی ابو بلال مرداس بن اُدیہّ یا ابن حدیر حنظلی تمیمی ہے، عام خارجی اسے امام سمجھتے ہیں۔ اسی بارہ میں عبیدہ بن ہلال یشکری۔ جس کا ذکر ازارقہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ کہتا ہے۔

''میں اپنی قوم کے بہترین فرد ہلال کا بیٹا ہوں، ابو بلال کے دین پر قائم رہنے والے شیخ کا اور تا قیامت یہی میرا دین ہے۔''

یہی ابو بلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ [جنگ] صفین میں شامل ہوا تھا، پھر آپ سے بغاوت کر کے نہروان کے دن خوراج کے ہمراہ جنگ میں شامل ہوا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اس دن بچ نکلے تھے، بہت سے خوارج اس کی کثرتِ عبادت ومحنت کی بنا پر اس کی تعظیم کرتے تھے، یہ تقیہ کا قائل تھا۔

لیکن جب اس نے خوارج کا پیچھا کرنے، انھیں قتل کرنے اور ان کی بعض عورتوں کا مُثلہ کرنے میں عبیداللہ بن زیاد کی دوڑ دھوپ دیکھی تو بغاوت کا عزم کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

[1] کیونکہ پھر یہ سوال نہیں اٹھتا کہ ان مدعین سے قبل اس فرقہ کا نام کیا تھا۔

اللہ کی قسم ان ظالموں میں مقیم رہنا ہمارے بس میں نہیں، ان کے احکام ہم پر نافذ ہوتے ہیں، حالانکہ یہ عدل سے دور اور فضیلت کو چھوڑے ہوئے ہیں، اللہ کی قسم اس [صورت حال] پر صبر ایک عظیم کام ہے اور تلوار نکال کر راستہ کو پر خطر بنا دینا بھی عظیم [جرم] ہے لیکن ہم ان سے دور رہیں گے، تلواریں نہیں سونتیں گے، صرف اس سے لڑیں گے جو ہم سے لڑے گا۔

اس طرح اس کے پاس اس کے تقریباً تیس ساتھی جمع ہو گئے اور انھوں نے اسے اپنا امیر بنالیا۔

جب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا تو اس سے عبداللہ بن رباح انصاری کی ملاقات ہوئی، وہ اس کے دوست تھے۔ انھوں نے اس سے کہا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں ان ظالم حکام کے احکام سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے دین کو لے کر بھاگنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے اس سے کہا: کیا آپ کے بارہ میں کسی کو علم ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا تو پھر واپس چلیں۔ اس نے کہا: آپ کو میرے اوپر کسی مصیبت کا اندیشہ ہے؟ انھوں نے کہا ہاں اندیشہ ہے کہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس نے کہا تو پھر آپ اندیشہ نہ کھائیں کیونکہ نہ تو میں تلوار اٹھاؤں گا نہ کسی کو ڈراؤں دھمکاؤں گا اور صرف اسی سے جنگ کروں گا جو مجھ سے لڑے گا۔

پھر وہ چلا اور "آسک"[1] میں جا ٹھہرا۔ یہ رامہرمز اور ارجان کے درمیان واقع ہے۔ اس کے پاس سے کچھ سامان گزرا جو ابن زیاد کے پاس لے جایا جا رہا تھا، مرداس کے ساتھی تقریباً چالیس آدمی تھے، اس نے وہ مال اتروایا اس میں سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا [مقررہ] وظیفہ لے لیا اور باقی مال کارندوں کو لوٹا دیا اور کہا اپنے ساتھی [ابن زیاد] سے کہنا: ہم نے صرف اپنے وظیفے وصول کیے ہیں، تو اس کے بعض ساتھیوں نے کہا: باقی مال ہم کس بنا پر چھوڑیں؟ مرداس نے کہا چونکہ یہ مالِ فئ تقسیم کرتے ہیں اور نماز بھی قائم کرتے ہیں اس لیے ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

ایک دن ابو بلال آسک میں تھا کہ اس کے پاس سے ابن زیاد کے ایک لشکر کا گزر ہوا جو خراسان جا رہا تھا۔ ابو بلال نے اس لشکر میں آواز لگائی کیا تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے جا

[1] ممدود الاول مفتوح الثانی ملک فارس میں ایک جگہ کا نام (معجم ما استعجم: 1/ 17).

رہے ہو؟ تو بعض نے کہا: نہیں ہم تو خراسان جا رہے، ابو بلال نے کہا جن سے تم ملو انھیں یہ بات پہنچا دینا کہ ہم زمین میں فتنہ وفساد کے لیے نہیں نکلے اور نہ کسی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بلکہ ظلم سے بھاگنے کے لیے، ہم اسی سے لڑیں گے جو ہم سے جنگ کرے گا۔ ہم فئ میں سے صرف اپنے وظیفے ہی وصول کریں گے۔

پھر اس نے لشکر سے پوچھا: کیا کوئی ہمارے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: اسلم بن زرعہ کلابی۔ اس نے کہا تمھارے خیال میں وہ کب تک ہمارے پاس آ پہنچے گا؟ انھوں نے کہا فلاں دن۔ پھر ابو بلال نے کہا: حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

عبید اللہ بن زیاد نے اسلم کو ابو بلال سے جنگ کرنے کے لیے دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا، جب اسلم ان کے پاس پہنچا تو ابو بلال نے اس سے کہا: اسلم اللہ سے ڈرو کیونکہ ہم تو جنگ نہیں چاہتے۔ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ تمھیں ابن زیاد کے پاس پہنچا دوں، مرداس نے کہا: تب تو وہ ہمیں قتل کر دے گا اس نے کہا اگر وہ تمھیں قتل کر دے تو پھر کیا [حرج] ہے؟ اس نے کہا تو پھر آپ ہمارے خون بہانے میں اس کے ساتھ شریک ہوں گے؟ اسلم نے کہا: میرا عقیدہ ہے کہ وہ حق پر ہے اور تم غلطی پر۔

بس پھر کیا تھا خوارج جو چالیس افراد تھے اسلم کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے اور اسے بری طرح شکست دی اور قریب تھا کہ خود اسلم معبد نامی ایک خارجی کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے۔

پھر جب وہ ابن زیاد کے پاس واپس آیا تو وہ ناراض ہوا اور اسے برا بھلا کہا۔ اسلم کہا کرتا تھا: ابن زیاد کا مجھے میری زندگی میں برا بھلا کہنا یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ وہ مرنے کے بعد میری تعریف کرے۔

اسلم کو اہل بصرہ کے ہاں بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ جب وہ بازار میں نکلتا یا بچے اس کے پاس سے گزرتے تو آوازے کستے ہوئے کہتے: ابو بلال تیرے پیچھے آ رہا ہے اور کبھی وہ چیختے معبد! اسے پکڑ لو۔

اسلم کے قصہ کے بارہ میں عیسیٰ بن فاتک تغلبی خطی کہتا ہے۔

''کیا آپ کے خیال میں دو ہزار مومنوں کو آسک میں چالیس آدمی شکست دے سکتے ہیں؟''[1]

اس کے بعد ابن زیاد نے اس عباد بن علقمہ مازنی تمیمی کو جسے عباد بن اخضر کہا جاتا ہے، چار ہزار کے لشکر میں روانہ کیا۔ جمعہ کے دن ان کی مڈبھیڑ ہوئی، ابو بلال نے آواز لگائی: عباد! میرے پاس آؤ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس کے پاس آیا تو مرداس نے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا تمھیں گردنوں سے پکڑ کر ابن زیاد امیر کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔ مرداس نے کہا: اور کوئی بات [مان سکتے ہو]؟ اس نے کہا وہ کیا؟ مرداس نے کہا: آپ واپس چلے جائیں کیونکہ نہ تو ہم رہزنی کریں گے نہ کسی مسلمان کو ڈرائیں دھمکائیں گے اور اسی سے جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا، ٹیکس صرف اس زمین سے وصول کریں گے جو ہماری حفاظت میں ہوگی۔ عباد نے کہا بات وہی ہوگی جو میں کہہ چکا۔

[بس] پھر [کیا تھا] فریقین کے درمیان جنگ شروع ہوگئی لوگ بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ حتیٰ کہ وقتِ نماز آ گیا تو ابو بلال نے آواز لگائی: اے قوم! یہ وقتِ نماز ہے، اس لیے ہم سے صلح کرلو تاکہ ہم نماز ادا کرلیں اور تم بھی نماز پڑھ لو۔ انھوں نے کہا: آپ کی درخواست قبول ہے، چنانچہ لڑائی رک گئی، لوگوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیے اور نماز کے لیے چل دیے۔ جب خوارج رکوع یا سجدے میں گئے تو عباد اور اس کے لشکر ان پر پل پڑے اور سب کو قتل کر دیا اور ابو بلال کا سر لے گئے۔ یہ 61ھ کا واقعہ ہے۔

عمران بن حطان انھی کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

''اے آنکھ! مرداس اور اس کے قتل پر آنسو بہا، اے ربِ مرداس! مجھے مرداس جیسا بنادے۔

---

[1] باقی دو شعر بھی تاریخ ادب عربی کے شعرِ خوارج میں اس طرح مذکور ہیں:

كذبتم ليس ذاك كما زعمتم ولكن الخوارج مؤمنونا

هي الفئة القليلة قد علمتم على الفئة الكثيرة يغلبونا

(ص101)

انس و محبت کے بعد تو نے مجھے وحشت ناک مقام میں حیران و پریشان چھوڑ دیا۔ میں اپنی مصیبت پر رو رہا ہوں جسے میں جانتا تھا تیرے بعد اسے نہیں پہچانتا، مرداس تیرے بعد لوگ لوگ نہیں رہے۔"

معتزلہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ بھی اس مرداس سے محبت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس نے بادشاہ کے ظلم کا انکار کرتے ہوئے اور حق کی دعوت دیتے ہوئے بغاوت کی۔

ایسے ہی شیعہ سے بھی یہ بات منسوب ہے کہ وہ بھی اس دعویٰ کی بنیاد پر اس سے محبت رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں خروج سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہتا ہے: میں آپ کے باپ کے دین پر قائم ہوں۔

مرداس کی وفات کے بعد صفریہ نے عمران بن حطان کو اپنا امیر بنالیا۔ یہ عمران بن حطان بن ظبیان سدوسی خارجیوں کا مفتی اور یکتا شاعر ہے۔ اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے پہلے یہ طلب علم میں مشہور اور محدثین کے ہاں معتبر تھا۔ کئی ایک صحابہ کرام کو پایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قاضیوں کے بارہ میں ایک حدیث روایت کی، وہ کہتی ہیں رسول اللہ نے فرمایا: "منصف قاضی کو لایا جائے گا عذاب کی جو شدت وہ دیکھ رہا ہوگا اس پر اثر انداز رہے گی حتیٰ کہ وہ خواہش کرے گا کاش! اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے بارہ میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں اس سے روایت لی ہے۔

اپنے قبیلہ کی ایک خارجی عورت کی وجہ سے یہ فتنۂ خوارج میں مبتلا ہوا۔ اس سے نکاح کی خواہش و کوشش کی تاکہ اسے حق کی طرف لے آئے لیکن اس نے اسے گمراہ کرلیا اور وہ اسے باطل کی طرف لے گئی، پھر یہ خوارج کے مذہب میں مستغرق ہوگیا۔ اس کا اصلی وطن بصرہ تھا۔ جب اس کے شر کا اندیشہ ہوا تو حجاج بن یوسف نے اسے طلب کیا۔ وہ چھپ کر شام فرار ہوگیا اور امیر فلسطین و وزیر عبدالملک بن مروان، روح بن زنباع جذامی کے پاس اس دعویٰ کی بنیاد پر ٹھہرا

---

① مسند أحمد: 75/6.

کہ وہ ازدقبیلہ سے ہے، پھر جب عبدالملک کو اس کا پتہ چلا تو یہ عُمان فرار ہوگیا، جب یہ عربوں کے کسی قبیلہ کے ہاں ٹھہرتا تو اس سے قریبی ہونے کا دعویٰ کرتا، اس بارہ میں وہ کہتا ہے۔

''ایک دن یمنی ہوں جب یمن والے سے ملوں۔ اور اگر کسی معدی سے ملوں تو میں عدنانی ہوں۔''

عمران ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اپنی نسبت کی مختلف انواع و اشکال میں اپنا زہر پھیلاتا رہا حتیٰ کہ 84ھ میں اسی پردہ راز میں مرگیا۔

اس کا وہ قول بھی اس کے خبیث اشعار میں سے ہے جس میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کی مدح کرتا ہے۔

① اے نیکو کار کا وار جس سے اس نے صرف عرش والے کی رضا کو پانا چاہا۔

② میں اسے کسی دن یاد کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پوری مخلوق میں سے قول میں پورا اترنے والا گمان کرتا ہوں۔

③ اس مرادی کی خوبی اللہ کے لیے ہے جس کے ہاتھوں نے پوری مخلوق میں سے [نعوذ باللہ] برے انسان کا خون بہایا۔

جس وقت خوارج کی قیادت عمران کے پاس تھی اس دوران کچھ ایسے آدمی ظاہر ہوئے جنھوں نے ہتھیار اٹھا لیے اور جنگ کی آگ بھڑکا دی، ان لوگوں میں سے مشہورتر آدمی صالح بن مسرح تمیمی اور شبیب بن یزید بن نعیم بن قیس بن عمرو بن صلت شیبانی ہیں۔ رہا صالح تو وہ بہت عبادت گزار اور شدت عبادت سے زرد چہرے والا تھا۔ اس کی اکثر اقامت دارا، ارضِ موصل اور جزیرہ میں تھی، یہ اپنے صفری ساتھیوں کے پاس آتا جاتا تھا۔ انھیں قرآن اور فقہ سناتا اور وعظ کرتا، اسی طرح یہ وقتاً فوقتاً کوفہ بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ وہاں مہینہ دو مہینے اقامت کرتا تاکہ وہاں مقیم صفریوں کا خیال رکھے، چنانچہ وہ انھیں وعظ کرتا اور علم سکھاتا۔

75ھ میں جب اس نے حج کیا تو اس کے ساتھ شبیب بن یزید شیبانی نے بھی اپنی ایک

جماعت کی معیت میں حج کیا۔ اتفاقاً اسی سال عبدالملک بن مروان بھی حج کرنے آیا، شبیب نے اس پر حملہ کرنا چاہا، پھر جب عبدالملک حج کے بعد واپس گیا اور اسے اس حملے کا علم ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ایک خط میں ان خوارج کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ جب صالح بن مسرح کو معلوم ہوا کہ حجاج اسے ڈھونڈ رہا ہے تو اس نے کوفہ چھوڑ دیا۔

76ھ میں اس نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو ظالموں سے جنگ اور مخالفین سے جہاد کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا، شبیب اس سے قبل صالح سے خط و کتابت میں اسے بغاوت پر اکساتا رہا۔ اس لیے جب اسے صالح کے خروج کا علم ہوا تو اس نے اپنے اردگرد کے خوارج کو جمع کیا اور انھیں لے کر دارا میں صالح کے پاس پہنچا، پھر انھوں نے محمد بن مروان، جو جزیرہ کا امیر تھا۔ کے حیوانوں پر ڈاکہ ڈالا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن مروان نے عدی بن عدی کندی کی قیادت میں ایک ہزار شاہسواروں کا لشکر ان کی طرف روانہ کیا۔

خارجیوں کے فوجیوں کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ انھوں نے عدی کے فوجیوں کو شکست دے دی تو محمد بن مروان نے تین ہزار شاہسواروں کا ایک اور لشکر روانہ کیا۔ جنگ ہوئی اور خوارج شکست کھا کر ارض موصل اور جزیرہ سے بھاگ کھڑے ہوئے، پھر حجاج بن یوسف نے حارث بن عمیرہ کی قیادت میں تین ہزار جنگجوؤں کا ایک اور لشکر روانہ کیا۔ جلولا کے قلعہ کے دروازہ پر دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی اور سخت لڑائی کے بعد صالح بن مسرح مارا گیا تو خوارج نے شبیب کی بیعت کر لی، پھر ان لشکروں کے مابین کئی معرکے ہوئے حتیٰ کہ شبیب نے دو سال سے بھی کم مدت میں حجاج کے بیس لشکروں کو شکست دی۔

پھر اس نے ایک ہزار خوارج کے ہمراہ رات کو کوفہ پر حملہ کر دیا جبکہ اس کے ساتھ غزالہ۔ جو اس کی بیوی یا ماں تھی۔ بھی دو سو خارجی عورتوں کے ہمراہ موجود تھی۔ وہ تلواریں سونتے ہوئے تھیں، حجاج اپنے گھر میں چھپ گیا۔ شبیب محل کے دروازے کی طرف بڑھا اور اپنے آہنی ڈنڈے سے اس پر ایسی ضرب لگائی جو اس پر ایک بڑا نشان چھوڑ گئی پھر اس نے کہا۔

''[وہ] دعویٰ کیا ہوا غلام ہے، اس کا اصل قوم ثمود ہے، نہیں! بلکہ کہا جاتا ہے کہ ان کا دادا [باہر سے] لایا گیا تھا۔''

خوارج جامع مسجد میں داخل ہو گئے اور اس کے پہرہ داروں کو قتل کر دیا۔ غزالہ منبر پر چڑھی اور اس نے خطبہ دیا۔ شبیب نے اپنے ساتھیوں کو نماز فجر کوفہ کی مسجد میں پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھیں۔

جب شروع دن میں حجاج کے پاس چار ہزار کا لشکر جمع ہو گیا تو فریقین کے مابین بازارِ کوفہ میں لڑائی ہوئی حتیٰ کہ شبیب شکست کھا کر انبار جا پہنچا تو حجاج نے سفیان بن اُبَیرد کلبی کو تین ہزار کا لشکر دے کر اس کا پیچھا کرنے بھیجا، سفیان نے دُجَیل ① کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور شبیب اس کے پل پر چڑھا تاکہ اسے عبور کر کے سفیان تک آ پہنچے۔ سفیان نے پل کی رسیاں کاٹ دیں جبکہ شبیب اس پل پر ہی تھا، پل پھر گیا اور شبیب اپنے گھوڑے سمیت غرق ہونے لگا تو ساتھیوں نے اسے آواز دی جبکہ وہ غرق ہو رہا تھا۔ کیا آپ غرق ہو رہے ہیں اے امیر المومنین؟ اس نے کہا:

ذلك تقدير العزيز العليم۔

''یہ باعلم و غالب [رب] کی مقررہ تقدیر ہے۔''

پھر خوارج نے غزالہ کی بیعت کر لی لیکن سفیان کلبی دُجیل کو پار کر گیا اور اکثر خوارج کو بمعہ غزالہ قتل کر ڈالا۔ شبیب کی جماعت میں سے باقی بچنے والوں کو قید کر لیا اور شبیب کی لاش پانی سے نکال کر اس کا سر کاٹا اور اسے قیدیوں کے ہمراہ حجاج کے پاس بھیج دیا۔

جب قیدی حجاج کے سامنے پیش ہوئے اور اس نے ان میں سے ایک قیدی کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس نے حجاج سے کہا: مجھ سے دو شعر سن لیں جن پر میں اپنے اعمال کا خاتمہ کرتا ہوں۔ اس نے اجازت دے دی تو وہ گویا ہوا:

''میں اللہ کی طرف عمرو اور اس کے معاونین، سے حضرت علی، اصحاب صفین، سرکش معاویہ

① بالضم مصغر، بغداد میں ایک نہر کا نام۔ (القاموس 152/2).

اور اس کے معاونین سے بیزار ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نعوذ بہ، لعنت کیے ہوؤں میں برکت نہ دے۔"
جب وہ فارغ ہوا تو حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا، پھر ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر دیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔

خلاصہ مذہب صفریہ

① جنگ سے پیچھے بیٹھ رہنے والے جب ان کے ہم دین و عقیدہ ہوں تو انھوں نے انھیں کافر قرار نہیں دیا۔
② وہ ازارقہ کے برعکس اپنے مخالفین کی عورتوں اور بچوں کے قتل کا فیصلہ نہیں کرتے۔
③ وہ ازارقہ کے برعکس اپنے مخالفین کے بچوں کے کفر اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کے قائل نہیں۔
④ عمل میں نہیں قول میں تقیہ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔
⑤ ان میں سے بعض سے منقول ہے کہ انھوں نے دار العلانیہ میں نہیں صرف دار التقیہ[1] میں اپنی قوم کے کفار سے مسلمان عورتوں کا نکاح جائز قرار دیا۔
⑥ ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ جب کوئی نبی مبعوث ہو جائے تو اس کی بعثت کے وقت اس دن کی اس گھڑی میں تمام اہل مشرق و مغرب کے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے اگرچہ وہ ان تمام احکام کو نہ جانیں جو وہ لایا ہو اور جو اس کی کوئی بات پہنچنے سے قبل فوت ہو گیا تو وہ کفر پر مرا۔
⑦ اصحابِ کبائر کے متعلق ان کے تین مختلف اقوال ہیں:
1- بعض کا کہنا ہے کہ وہ مشرک و کافر ہیں جیسا کہ ازارقہ کا قول ہے۔
2- بعض نے کہا مرتکب کبیرہ پر کفر اس وقت واقع ہوتا ہے جب امام اس پر حد قائم کرے

---

① قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں "دار" کی تین قسمیں بنتی ہیں:
1۔ دار تقیہ، جہاں اہل قبلہ میں سے خوارج کے مخالف غالب ہوں۔
2۔ دار علانیہ، جہاں خود خوارج کا تسلط و غلبہ ہو۔
3 دار حرب، جہاں کفار غالب و قابض ہوں۔

جیسا کہ بعض بیھسیہ کا قول ہے جو آگے آ رہا ہے۔

3۔ بعض نے کہا کہ وہ گناہ جس پر کوئی حد مقرر ہے تو اس کے مرتکب کو صرف اس کے لیے مقرر کردہ نام دیا جائے گا جیسے زانی، چور اور قاتل اور اس کا مرتکب مشرک اور کافر نہیں۔ اور وہ گناہ جس میں کوئی حد مقرر نہیں جیسے ترک صلوٰۃ وصوم تو یہ کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہے۔ اور گناہ گار اس کا گناہ موجب حد ہو یا اس میں حد نہ ہو دونوں صورتوں میں ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ پہلی صورت میں اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوتا تاہم وہ ایمان سے خارج ہے لیکن کفر میں داخل بھی نہیں۔

⑧ ان میں سے شبیبیہ عورت کی امامت عظمی پر براجمان ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ انھوں نے یہ منصب شبیب کے قتل ہونے کے بعد غزالہ کو دیا۔

ان میں سے بعض کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخالف مسلمانوں کا خون بہانا جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی مخالفین کے ملک کو دارالحرب سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی بادشاہ کی فوج کے سوا کسی اور سے جنگ کے بھی وہ قائل نہیں، واللہ اعلم۔

عجاردہ

یہ عبدالکریم بن عجرد کے پیروکار ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عبدالکریم سجستان میں عطیہ بن اسود حنفی کے ساتھ تھا، لہٰذا وہ اپنے اصل مذہب کے مطابق نجدات میں سے ہی ہے۔ امام ابن حزم نے اسے صفریہ سے منسوب کیا ہے اور شہرستانی نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اصل میں ابوبیہس، جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آرہا ہے، کے شاگردوں میں سے تھا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں عبدالکریم بن عجرد اہل فارس میں سے تھا جیسا کہ اس کے اکثر پیروکار بھی وہیں سے تھے۔

جب اس عبدالکریم کا چرچا ہوا اور بہت سے لوگ اس کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے تو خالد بن عبداللہ بجلی قسری[1] نے اسے قید کر دیا اس کے پیروکار اس کی قید سے قبل ایک ہی مذہب پر قائم تھے، یعنی بچوں سے قبل از بلوغت اظہار بیزاری لازم ہے [اگرچہ وہ ان کے بیٹے ہی ہوں]، پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو انھیں دعوت اسلام دینا واجب ہے یا وہ [ازخود] اسلام کا وصف اور تعریف بیان کر دیں۔

ان کے مخالفین کے اموال ان کے لیے حلال نہیں تا آنکہ ان اموال والوں کو وہ قتل نہ کر دیں [ان کے ہم مذہب کا] ان کی طرف ہجرت کر کے آنا واجب نہیں افضل و مستحب ہے جبکہ یہ متخلفین ہجرت دین داری میں معروف ہوں۔ یہ لوگ کبائر کے مرتکب کو کافر گردانتے تھے۔ پھر جب عبدالکریم قید ہو گیا تو اس کے پیروکار آٹھ فرقوں میں منقسم ہو گئے اگرچہ خود ان میں سے بھی بعض بعض کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ فرقے حسب ذیل ہیں:

---

[1] بفتح الباء والجیم نسبة الی قبیلة بَجِیلة، و قسر بفتح القاف و سکون السین بجیلہ کی ایک شاخ ہے۔ (القاموس: 217/1، 617/3).

خازمیہ

یہ ایک آدمی خازم بن علی کے پیروکار ہیں اور یہ سجستان کے عجاردہ کی اکثریت پر مشتمل ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عمومی تقدیر و مشیّت [1] میں اہل سنت سے موافقت میں معروف ہیں۔ ایسے ہی ان کی یہ بات بھی معروف ہے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کی دوستی یا دشمنی اس کے اس خاتمہ وانجام کے مطابق ہوتی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے، چنانچہ جس بندہ کی موت علی الایمان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے وہ اس سے دوستی رکھتا ہے اگرچہ یہ بندہ اپنی اکثر عمر کفر پر گزارے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہی ہے حتیٰ کہ اپنے کفر کے وقت میں بھی۔ اور جس کی کفر پر موت کا اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے وہ اس سے دشمنی رکھتا ہے اگرچہ یہ انسان اپنی اکثر عمر ایمان پر گزارے یہ اللہ کا دشمن ہی ہے حتیٰ کہ اپنے ایمان کے وقت میں بھی۔

اس قاعدہ کے مطابق انھیں کہنا پڑے گا کہ حضرت علی، طلحہ، زبیر اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اولیاء اللہ میں سے تھے کیونکہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے حدیبیہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور اہل حدیبیہ کے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔" [2]

یہیں سے ان کی بات میں تناقص اور خرابی ظاہر ہوتی ہے۔

شُعیبیہ

ان کا کوئی خاص مذہب نہیں، تقدیر کے بارہ میں ان کا عقیدہ خازمیہ جیسا ہے۔ یہ لوگ صرف اس لیے فرقہ بن گئے کہ ان کے پیشوا شعیب اور عجاردہ کے ایک آدمی، جسے میمون بن خالد یا میمون بن عمران کہا جاتا تھا، کے درمیان ایک مال پر جھگڑا ہو گیا۔ میمون کا یہ مال شعیب کے ذمہ تھا

[1] یعنی ہر چھوٹے بڑے امر پر حاوی اس کی قدرت ومرضی۔

[2] الفتح 48: 18.

جب اس نے اس کا مطالبہ کیا تو شعیب نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں تمھیں دے دوں گا۔ میمون نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسی گھڑی میں چاہا ہے، شعیب نے کہا: اگر اس نے چاہا ہوتا تو میں اس سے رُک نہ سکتا۔

میمون نے کہا [سنو!] اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اسے اس نے چاہا ہے تو عجاردہ کی ایک جماعت شعیب کی حمایتی ہوگئی جبکہ دوسری میمون کی، پھر انھوں نے اس بارہ میں اپنے امام عبدالکریم سے فتویٰ پوچھا وہ اس وقت قید میں تھا، انھوں نے ایک خط بھیجا جس میں اس جھگڑے کی تفصیل تھی جو میمون وشعیب کے مابین ہوا۔ انھوں نے اس بارہ میں جواب پوچھا تو اس نے ایک مختصر سا مبہم جواب لکھ بھیجا، اس نے لکھا: ہم تو صرف کہتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہی ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوا ہم اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی برا کام نہیں لگاتے۔''

یہ جواب انہیں ابن عجرد کی وفات کے بعد ملا تو میمون نے دعویٰ کر دیا کہ عبدالکریم نے اس کے موقف کی تائید کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ ''ہم اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی برا کام نہیں لگاتے'' اور شعیب نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے میرے موقف کی تائید کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے: ''جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا نہیں ہوا۔'' اکثر خازمیہ شعیب کے قول کی طرف مائل ہو گئے اور اس بنا پر اس [کے نام] کا ایک فرقہ بن گیا۔''

میمونیہ

یہ اسی میمون بن خالد یا ابن عمران کے پیروکار ہیں جس کا قصہ ہم نے شعیب عجردی کے ساتھ ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے ''مقالات الاسلامیین'' میں ذکر کیا ہے: ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبدالکریم بن عجرد اور یہ میمون اہل بلخ میں سے ہیں۔''

میمون نے اللہ تعالیٰ کی عموم مشیت وقدرت کا انکار کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ بندوں کے اعمال میں اللہ کی مشیت ومرضی کا کوئی دخل نہیں اور نہ ہی افعالِ عباد اس کے پیدا کردہ ہیں، نیز یہ کہ اللہ

تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے برائی کا نہیں۔

پھر اس نے کہا: مشرکوں کے بچے جنّتی ہیں اور گناہوں کے مرتکب کافر ہیں، اور [غیر مسلم] بادشاہ سے اور جو اس کے فیصلہ پر راضی ہوں، ان سب سے جنگ کرنا فرض ہے اور بادشاہ کے علاوہ باقی کسی سے جنگ فرض نہیں الا یہ کہ وہ ان پر حملہ کردے یا ان کے دین میں طعن کرے یا بادشاہ کو ان کے بارہ میں مخبری کرے۔

اسی طرح میمون پوتیوں، نواسیوں، بھائیوں کی پوتیوں اور بہنوں کی پوتیوں سے جواز نکاح کا بھی قائل تھا۔ اس کا کہنا تھا اللہ تعالیٰ نے نسبی عورتوں کی تحریم کے بارہ میں ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کا تو ذکر فرمایا ہے لیکن پوتیوں، نواسیوں، بھائیوں کی پوتیوں اور بہنوں کی پوتیوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی طرح میمونیہ نے سورۂ یوسف کے قرآن میں سے ہونے کا بھی انکار کیا۔ یہ قول عبدالکریم بن عجرد سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔

خلفیہ

یہ ایک آدمی خلف کے پیروکار ہیں جو میمونیہ میں سے تھا، پھر تقدیر و مشیّت کے بارہ میں ان کی مخالفت کی اور ہر چھوٹے بڑے امر کو محیط، اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیّت ثابت کی۔ اس پر کرمان و مکران کے خوارج بھی اس سے مل گئے۔ خلفیہ صرف اپنے امام سے مل کر جنگ کرنے کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کے مخالفین کے بچے جہنمی ہیں۔

معلومیہ

یہ خازمیہ ہی کا ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام اسما کے ساتھ نہیں جانتا وہ جاہل ہے اور جاہل کافر ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں اور وہ اس آدمی کی امامت کے قائل ہیں جو ان کے مذہب پر ہو اور اپنے دشمنوں پر تلوار لے کر نکلے۔ یہ لوگ [ہجرت سے] پیچھے بیٹھ رہنے والوں کی تکفیر کے بھی قائل نہیں۔

مجہولیہ

یہ بھی خازمیہ ہی کا ایک فرقہ ہے۔ان کا عقیدہ بھی معلومیہ کا سا ہے۔مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے بعض ناموں سے پہچان لیا تو اس نے اسے پہچان لیا اور جس نے اسے پہچان لیا وہ مومن ہے یہ معلومیہ کو کافر گردانتے ہیں۔

صلتیہ

اس بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ کس سے منسوب ہیں، چنانچہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ عجاردہ کے ایک آدمی صلت بن أبی الصلت سے منسوب ہیں اور بعض کا کہنا ہے یہ عثمان بن أبی الصلت، جس کا نام صلت بن عثمان بھی بتایا گیا ہے، سے منسوب ہیں، امام شہرستانی ان کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"یہ عثمان بن أبی الصلت یا الصلت بن أبی الصلت کے پیروکار ہیں۔"

جس عقیدہ میں یہ منفرد ہیں وہ یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ جب آدمی ہماری بات مان لے اور اسلام لے آئے تو ہم اسے دوست بنالیں گے لیکن اس کے بچوں سے بری الذمہ ہوں گے کیونکہ ان کا کوئی اسلام نہیں حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں، پھر اسلام میں داخل ہوں۔

حمزیہ

یہ حمزہ بن اکرک یا [حمزہ] بن ادرک عجردی قدری کے پیروکار ہیں جو رشید کی خلافت کے دوران 179ھ میں ظاہر ہوا۔اس نے قدریہ معتزلہ کی ان کی تمام بدعات میں موافقت کی اور دین سے دوران لوگوں کی مخالفت صرف اس بات میں کی کہ مشرکین کے بچے جہنمی ہیں۔اس لیے اکثر عجاردہ اور معتزلہ نے اسے کافر قرار دیا۔حمزہ عجاردہ میں سے سب سے خطرناک خارجی تھا اس نے سجستان، قوہستان[1]، کرمان اور مکران میں فساد برپا کیا اور بہت سے لشکروں کو شکست دی۔جب وہ کسی قوم سے جنگ کرتا اور انھیں شکست دے دیتا تو ان کے مال جلا دیتے ان کے جانوروں کی

[1] یہ کوہستان کی تعریب ہے۔

کونچیں کاٹ ڈالنے اور ان کے قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیتا جو اس سے موافقت نہ کرتا اس سے جنگ کرتا۔ چنانچہ اس نے عجاردہ کے [فرقہ] خلفیہ سے جنگ کی اور ان میں سے بہت سی مخلوق قتل کر ڈالی اس طرح اس نے عجاردہ کے خازمیہ اور خوارج کے بیھسیہ سے بھی جنگ کی اور قریب تھا کہ یہ ان کا قلع قمع کر دے، اس کا فتنہ خراسان، کرمان، قوھستان اور سجستان میں رشید کے آخری دور اور مامون کی خلافت کے ابتدائی ایام تک جاری رہا۔

جب مامون مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے حمزہ کے نام ایک خط لکھا جس میں اسے اپنی اطاعت کی دعوت دی مگر وہ سرکشی اور فساد میں بڑھتا ہی گیا تو مامون نے طاہر بن حسین کی قیادت میں ایک لشکر اس کی طرف روانہ کیا۔ ان دونوں کے مابین کئی جنگیں ہوئیں جن میں فریقین کے تیس ہزار سے زیادہ آدمی کام آئے ان میں زیادہ تر حمزہ کے پیروکار تھے۔

حمزہ یہ شکست کھا کر کرمان چلے گئے اور جب مامون نے طاہر بن حسین کو خراسان سے واپس بلایا تو حمزہ نے خراسان کا لالچ کیا اور اپنا لشکر لے کر اس طرف چلا، پھر عبدالرحمان نیشاپوری نیشاپور کے جنگجوؤں میں سے بیس ہزار فوجی لے کر چلے، انھوں نے حمزہ کو شکست دی اور ان کی ایک بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا۔ حمزہ زخمی حالت میں فرار ہو گیا اور اپنی اسی شکست میں لگنے والے زخموں سے مر گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کے شر سے آرام بخشا۔

خلاصہ مذہب عجاردہ

① بچے کے بالغ ہونے پر اسے دعوت اسلام دینے کا وجوب اور اس سے قبل اس سے اظہار براءت و بیزاری یا توقف۔ ان میں سے بعض کا فیصلہ ہے کہ مشرکین کے بچے جہنمی ہیں اور بعض نے کہا جنتی۔

② اپنے ہم مذہب خارجیوں میں سے ہجرت سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں جبکہ وہ تقویٰ و طہارت میں معروف ہوں۔

③ اپنی طرف ہجرت کو واجب نہیں بلکہ مستحب گردانتے ہیں۔

③ ان میں سے اکثر بنیادی طور پر اپنے مخالف کے اموال لوٹنا مباح نہیں سمجھتے مگر جبکہ وہ اسے قتل کرلیں۔

④ ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کی عمومی تقدیر و مشیت کے قائل ہیں۔

⑤ ان میں سے میمونیہ کے کفر کے بارہ میں لوگوں کا اختلاف نہیں کیونکہ انھوں نے دین کی ان باتوں کا انکار کیا جو دین میں قطعی طور پر ثابت ہیں جیسے سورہ یوسف کا انکار اور بیٹوں کی پوتیوں، بیٹیوں کی پوتیوں، بھائیوں اور بہنوں کی پوتیوں سے نکاح کا جواز۔[1]

[1] یہ متن کتاب کا ترجمہ ہے جب کہ اس سے قبل (ص:162) میمونیہ کے بیان میں صرف پوتیوں اور نواسیوں کی اباحت کا ذکر تھا اور وہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیٹوں اور بیٹیوں کی پوتیوں کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے شاید خود پوتیاں اور نواسیاں مباح نہ ہوں جب کہ حقیقت یہ نہیں کیونکہ ان کی مزعومہ علت۔ عدم ذکر۔ دونوں قسموں کو شامل ہے، فافهم والله أعلم

ثعالبہ

یہ ثعلبہ بن مشکان یا [ثعلبہ] ابن عامر کے پیروکار ہیں۔ یہ عبدالکریم بن عجرد کے ساتھ تھا حتیٰ کہ ان کے مابین بچے کے [جنتی یا جہنمی ہونے کے] بارہ میں اختلاف ہوگیا اور ان دونوں نے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ جڑ دیا۔

ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عجاردہ کے ایک آدمی نے ثعلبہ کی طرف اس کی لڑکی کے لیے منگنی کا پیغام بھیجا تو ثعلبہ نے کہا اس کا مہر مقرر کیجیے، پھر منگیتر نے لڑکی کی ماں کی طرف ایک عورت کو بھیجا وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اگر لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور اپنا اسلام واضح کر چکی ہے تو اسے مہر کی پرواہ نہیں جتنا بھی ہو، ماں نے کہا وہ لڑکی مسلمان ہے بالغ ہوئی ہو یا نہ، اس آدمی نے عبدالکریم بن عجرد اور ثعلبہ بن مشکان کو ثعلبہ کی بیوی کے قول کی خبر دی۔ عبدالکریم بچوں کی بلوغت سے قبل ان سے بیزاری کا قول اختیار کر چکا تھا اس لیے اس نے عورت کے قول پر اعتراض کیا، رہا ثعلبہ تو اس نے اپنی بیوی کے قول کی حمایت کی اور کہا ہم ان کے حمایتی ہیں، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے حتیٰ کہ ان سے حق کا انکار اور ظلم پر رضامندی نہ دیکھ لیں، اس طرح وہ عبدالکریم سے اور عبدالکریم اس سے بیزار ہوگیا اور ان میں سے ہر ایک کے نام کا فرقہ بن گیا، ثعلبہ کی زندگی میں ثعالبہ اکٹھے رہے جب وہ فوت ہوگیا تو ان میں اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ چھ فرقوں میں منقسم ہوگئے:

① ایک فرقہ اس کی موت کے بعد بھی اس کی امامت کا قائل رہا اس کی وفات کے بعد بھی اس نے کسی کی امامت کا اقرار نہیں کیا اور نہ ہی ثعلبہ کی تعلیمات کے خلاف ہی کوئی اور بات اس سے منقول ہے۔

معبدیہ

یہ ثعالبہ کے ایک آدمی جسے معبد بن عبدالرحمٰن کہا جاتا تھا کے پیروکار ہیں۔ جمہور ثعالبہ سے یہ جس بات میں منفرد ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اپنے غلاموں سے۔ جب وہ غنی ہوں۔ زکاۃ وصول کرنے اور انھیں۔ جب وہ فقیر ہوں۔ اپنی زکاۃ دینے کے قائل ہیں۔ ثعالبہ میں سے جو اس کا قائل نہ ہوا یہ اس سے بیزار ہو گئے اسی طرح ثعالبہ بھی ان سے بیزار ہو گئے۔

اخنسیہ

یہ بھی ثعالبہ ہی کے ایک آدمی، جسے اخنس بن قیس کہا جاتا تھا، کے پیروکار ہیں باقی ثعالبہ سے یہ اس بات میں منفرد ہیں کہ یہ دار تقیہ میں بسنے والے ان تمام مسلمانوں کے بارہ میں جو اسلام کے دعویدار یا اہل قبلہ میں سے ہیں توقف کرتے ہیں، چنانچہ یہ ان پر نہ کفر کا حکم لگاتے ہیں نہ اسلام کا الا یہ کہ کسی خاص آدمی سے اس کا اسلام معلوم کر لیں تو اس بنا پر یہ اس سے محبت کرتے ہیں یا کسی سے اس کا کفر معلوم کر لیں تو اس بنا پر اس سے براءت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ دھوکہ سے کسی کو پکڑنا اور خفیہ قتل کرنا حرام جانتے ہیں۔ ایسے ہی اہل قبلہ میں سے اپنے مخالفین سے جنگ کی ابتدا کرنا بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ جب تک کہ اسے دعوت نہ دے لیں الا یہ کہ جسے اچھی طرح جانتے ہوں۔ ثعالبہ نے ان سے براءت کا اعلان کیا اسی طرح یہ بھی ان سے بریٔ الذمہ ہو گئے۔

رشیدیہ

یہ بھی ثعالبہ ہی کے ایک آدمی، جسے رشید طوسی کہا جاتا تھا، کے پیروکار ہیں یہ جمہور ثعالبہ کے مخالف ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ چشموں جاری نہروں اور نالوں سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں عشر بیسواں حصہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دسواں حصہ صرف اسی زمین میں ہوگا جو بارش سے سیراب ہو۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہی قول جمہور ثعالبہ کا تھا حتیٰ کہ ان کے ایک فقیہ ابو خالد زیاد بن عبدالرحمٰن شیبانی نے انھیں بتایا کہ نہروں سے سیراب کردہ زمین میں بھی اسی طرح [دسواں حصہ] عشر واجب ہے تو جمہور ثعالبہ نے بھی زیاد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ رشید طوسی اور اس کی جماعت کے سوا کوئی بھی پہلے قول پر قائم نہ رہا، ثعالبہ میں سے جس نے رشید کی مخالفت کی وہ اس سے بیزار ہو گیا اور ایسے ہی ثعالبہ رشیدیہ سے بیزار ہو گئے اور انھوں نے انھیں ''عشریہ'' کا لقب دے دیا۔
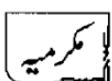
مکرمیہ

یہ مکرم یا ابو مکرم بن عبداللہ عجلی کے پیروکار ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تارک صلاۃ کافر ہے لیکن ترک صلاۃ کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے جہالت کی بنا پر کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جو آدمی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل و ناواقف ہے اسی جہالت کی بنا پر اسے کافر کہا جاتا ہے۔ معصیت کے ارتکاب کی بنا پر نہیں۔ ثعالبہ میں سے جو ان کے مخالف ہو گئے یہ ان سے بری الذمہ ہو گئے اسی طرح ثعالبہ نے بھی انھیں اس بنا پر کافر قرار دے دیا۔

شیبانیہ
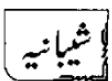
یہ اس شیبان بن سلمہ حروری کے پیروکار ہیں جو مضافات خراسان میں ظاہر ہوا، یہ ثعالبہ میں سے تھا۔ خوارج کی ایک جماعت اس کے گرد جمع ہو گئی اور خلافت کا سلام کہنے لگی۔ شیبان اسی حالت میں تھا کہ عباسیوں کی طرف دعوت دینے والا ابو مسلم خراسانی 129ھ میں ظاہر ہوا جب کہ خراسان کا نائب حاکم وہ نصر بن سیار لیثی تھا جسے ہشام بن عبدالملک بن مروان نے مقرر کیا تھا۔

یہ نصر ابو مسلم سے جنگ کے لیے اٹھا تو شیبان نے ابو مسلم کے اس خروج کا بُرا نہ منایا کیونکہ وہ نصر بن سیار سے جنگ کر رہا تھا ایسے ہی نصر بن سیار کا باغی ابن کرمانی اس پر خوش تھا، لیکن نصر بن سیار شیبان سے دوستی [کے مواقع] ڈھونڈنے لگا اور اس سے کہا: یا تو ابو مسلم سے جنگ کے لیے

آپ میرا ساتھ دیں یا مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں اس کے لیے فارغ ہو رہوں۔ شیبان نے اس کی یہ بات مان لی۔[1] ابو مسلم کو جب شیبان کی اس چال کا علم ہوا تو اس نے ابن کرمانی کو پیغام بھیجا اور شیبان کے موقف کی اطلاع دی۔ ابن کرمانی نے شیبان کو اس پر ملامت کی لیکن نصر اس ابن کرمانی پر اثر انداز ہو گیا اور ابو مسلم سے جنگ کی خاطر ابن کرمانی سے آملا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ خود نصر اور ابن کرمانی کے مابین جنگ پھوٹ پڑی۔

ابو مسلم ان دونوں سے خفیہ خط و کتابت کرنے لگا اور انھیں اپنی طرف مائل کرنے لگا حتیٰ کہ 9 جمادی الاولیٰ 130ھ جمعرات کے دن وہ ''مرو'' میں داخل ہوا اور اس گورنر ہاؤس میں پڑاؤ ڈالا جسے اس نے علی بن کرمانی کے تعاون سے نصر بن سیار سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔

جب نصر فرار ہو گیا تو ابو مسلم کے سامنے شیبان ہی باقی رہ گیا، ابو مسلم نے بسام بن ابراہیم مولیٰ بنی لیث کی قیادت میں ایک لشکر اس کی طرف روانہ کیا، دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی، بسام نے اس [شیبان] کو شکست دی اور قتل کر دیا۔ شیبانیہ کو قتل و قید کا سامنا کرنا پڑا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے آرام بخشا۔

شیبان جھمی جبری تھا جبر کے بارہ میں جہم بن صفوان کے عقیدے کا حامل تھا اسی طرح اس سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتا تھا۔ جمہور ثعالبہ نے اسے اس وجہ سے اور اسی طرح کی دیگر وجوہات کی بنا پر کافر قرار دیا۔

خلاصہ مذہب ثعالبہ

① بچوں کی ولایت کا اقرار، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے حتیٰ کہ ان سے خلاف اسلام کوئی بات ثابت نہ ہو جائے۔

② اپنے غلاموں سے بھی زکاۃ کی وصولی جب وہ غنی ہوں اور جب وہ فقیر ہوں تو انھیں زکاۃ دینا یہ معبدیہ کے ہاں ہے۔

[1] اس واقعے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں البدایۃ و النھایۃ 30/10

③ اپنے مخالفین میں سے اسلام کے دعویدار اور اہل قبلہ کے بارہ میں توقف، چنانچہ ان پر کفر یا اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا مگر جب ان سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جائے (یہ اخنسیہ کے ہاں ہے)

④ دھوکے سے قتل کرنے کی تحریم یہ بھی اخنسیہ کے ہاں ہے۔

⑤ جنگ سے قبل مخالف کو دعوت اسلام دینا، مخالف کی طرف سے جنگ شروع نہ کرنے سے قبل اس کے قتل کی تحریم یہ بھی اخنسیہ کے ہاں ہی ہے۔

⑥ نہروں، چشموں اور نالوں سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ عشر مقرر کرنا، یہ رشیدیہ کے ہاں ہے۔

⑦ یہ عقیدہ رکھنا کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے لیکن ترک صلوٰۃ کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اپنی جہالت کی بنا پر۔ یہ مکرمیہ کے ہاں ہے۔

⑧ شیبانیہ کا جبر کے بارہ میں جہم بن صفوان کی موافقت کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دینا۔

اباضیہ

یہ اس عبداللہ بن اباض مری تمیمی کے پیروکار ہیں جو اس وقت نافع بن ازرق کے ہمراہ بصرہ گیا جب خوارج حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ چھوڑ گئے، پھر جب نافع بصرہ سے اہواز گیا تو یہ ابن اباض اس کے ساتھ نہ تھا اور جب اہواز میں نافع کو شہرت ملی اور اسے قوت وطاقت حاصل ہوئی تو اس نے بصرہ میں بیٹھ رہنے والے خوارج کو خط لکھ کر اپنی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دی جو اس کی طرف ہجرت کر کے نہ آئے انھیں کافر قرار دیا۔

یہ خط بصرہ میں ابن اباض اور اس کے ہمراہ موجود خارجیوں کے پاس پہنچا جن میں اس وقت ابوبیہس ھیصم بن جابر ضبعی اور عبداللہ بن صفار سعدی بھی تھے۔ عبداللہ بن اباض نے یہ خط پڑھ کر انھیں سنایا اور کہا: اگر یہ [ہجرت نہ کرنے والے] لوگ مشرک ہوتے تو اس کی رائے واقعی درست ہوتی لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں اس نے جھوٹ بولا ہے اس لیے کہ قوم شرک سے بیزار ہے کیونکہ وہ کتاب کو تھامے ہوئے ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقر ہے، البتہ کفرانِ نعمت کی مرتکب ہوئی ہے اس لیے ان میں اقامت بالکل جائز وحلال ہے۔

پھر عبداللہ بن صفار سعدی یا ابوبیہس ھیصم بن جابر ضبعی اس کی طرف بڑھا اور کہا: اللہ تعالیٰ تجھ سے بیزار ہے کیونکہ تو نے کوتاہی کی ہے اس لیے تو کافر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نافع سے بیزار ہے کیونکہ اس نے غلو سے کام لیا ہے، اس لیے وہ [بھی] کافر ہو گیا۔

عبداللہ بن اباض کے گرد خوارج کی ایک جماعت جمع ہو گئی اور کچھ لوگ اس سے جدا ہو کر دور ہو گئے۔ ابن اباض کا خیال تھا کہ اہل قبلہ میں سے ان کے مخالف نہ مومن ہیں نہ مشرک بلکہ کافر ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے نکاح و معاشرت، وراثتیں اور گواہیاں صحیح ہیں اگرچہ یہ ان کے

اپنے ہمنوا کے حق میں ہی ہوں اس دلیل کی بنا پر کہ ان کے پاس مسلمانوں کا وہ شعار موجود ہے جو [ہم سب] مسلمانوں کو جمع کرتا ہے، ایسے ہی اس نے ان کے خون سراً جائز نہیں کیے اگر چہ علانیۃً انھیں جائز کرلیا اسی طرح ابن اباض کا خیال تھا کہ ان کے مخالفین کے اموال اس وقت جائز نہیں جب یہ سونا چاندی ہوں، رہے گھوڑے، ہتھیار اور دیگر سامان تو وہ حلال ہیں۔

ابن اباض کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ خارجیوں میں سے بات میں سب سے نرم اور سب سے زیادہ صلح پسند آدمی تھا۔ اس لیے وہ بنی امیہ کے آخری حاکم کے دور تک اس صلح جوئی پر گامزن رہا، پھر بغاوت کی تو مروان نے عبداللہ بن محمد بن عطیہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا جس نے مقام "تبالہ" پر اس سے جنگ کی اور اس کا کام تمام کردیا۔

یہ ایک انوکھی بات ہے جو امام ابن حزم نے ذکر فرمائی ہے: کہ عبداللہ بن اباض نے اپنے عقیدہ سے ثعالبہ کے عقیدہ کی طرف رجوع کرلیا تھا، پھر انھوں نے فرمایا: پس اس کے پیروکار اس سے بیزار ہوگئے اس وقت وہ اسے نہیں جانتے، نیز فرمایا: علم و مذہب میں ان کے ماہرین سے ہم نے اس کے متعلق پوچھا تو کسی نے اس [ابن اباض] کو نہ پہچانا۔[1]

عبداللہ بن اباض کے بعد اباضیہ سات فرقوں میں بٹ گئے جبکہ ہم بیھسیہ کو ان کا فرقہ مانیں، اور اگر ان کا فرقہ نہ مانیں تو یہ چھ فرقے بنتے ہیں:

یزیدیہ

یہ یزید بن ابی اُنیسہ یا ابن انیسہ اِباضی کے پیروکار ہیں۔ یہ بصرہ میں مقیم تھا پھر ملک فارس میں "جور" مقام کی طرف منتقل ہوگیا۔ یزیدیہ اباضیہ اور باقی اہل قبلہ سے اس بات میں منفرد ہیں کہ اللہ تعالیٰ عجمیوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے گا اور اس پر آسمان سے ایک ایسی کتاب نازل فرمائے گا جو آسمان میں لکھی گئی ہوگی اور اس پر یکبارگی نازل ہوگی اس کی شریعت سے شریعت محمد ﷺ منسوخ ہوجائے گی۔

[1] سلطنت اُومان میں آج کل جن کی حکومت ہے وہ خوارج کی ایک قسم اباضیہ ہیں وہ بعض صفات کا انکار کرتے ہیں۔ مجلۃ الدعوۃ ص46 رمضان 1425 از یوسف طیبی۔

نیز ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اس نبیٔ منتظر کے پیروکار قرآن مجید میں لفظ ''الصّابئون'' سے مذکور ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰی والصَّابِئِیْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾①

اوران سے مراد حران اور واسط [شہر] کے صابئہ نہیں۔

اور ایسے ہی یزیدیہ کا عقیدہ ہے کہ جو آدمی:

(لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ إِلَی الْعَرَبِ)

والا کلمہ پڑھتا ہے وہ مومن شمار ہوگا اگر چہ دین محمدی میں داخل نہ ہوا، ان کے اس عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ یہودیوں کے عیسویہ اور موشکانیہ فرقے بھی مومن شمار ہوں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ اہل کتاب کی طرف نہیں بلکہ عربوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔ اہل قبلہ کا اجماع ہے کہ یزیدیہ کافر اور ملت اسلام سے خارج ہیں۔

حفصیہ

یہ حفص بن ابی مقدام کے پیروکار ہیں۔ اباضیہ سے جو بات انھیں جدا کرتی ہے وہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان وشرک میں فرق صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ چنانچہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچان لے، پھر وہ اس کے ماسوا، یعنی رسول قیامت جنت یا دوزخ کا انکار کر دے یا تمام برے اعمال، یعنی قتل نفس، شرمگاہوں، مالوں اور شرابوں کو جائز سمجھنے کے جرم کا مرتکب ہو تو پھر بھی وہ شرک سے بری الذمہ ہے اگر چہ اسے کافر کہا جائے، مشرک صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جاہل ہو اور اس کا انکار کرے۔

پھر ان سے یہ بات بھی منقول ہے کہ کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے پر موقوف ہے جس نے اس کا انکار کیا تو اس نے شرک کیا۔ اور یہ صریح تضاد ہے۔

① البقرہ 2 62.

پھر انھوں نے۔ اللہ تعالیٰ انھیں بدصورت کرے۔ کہا کہ آیت کریمہ:

﴿كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا﴾[1]

''یعنی کیا ہم اپنا حال اس آدمی کی طرح کرلیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ درآں حالیکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے۔''

میں مذکور ﴿حَيْرَانَ﴾ کے مصداق حضرت علی ہیں، اور ان کے وہ ساتھی جو انھیں ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں ان سے مراد نہروان کے خوارج ہیں۔

ایسے ہی ان کا۔ اللہ تعالیٰ انھیں بدشکل بنادے۔ یہ عقیدہ بھی ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ الی قولہ ﴿الفساد﴾[2]

''یعنی کوئی ایسا ہے جس کی باتیں تمھیں دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ بناتا ہے مگر حقیقت میں وہ سخت جھگڑالو ہے۔''

یہ فرمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوا۔ جبکہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾[3]

''یعنی دوسری طرف انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضاءِ الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔''

یہ فرمان عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی کے بارہ میں نازل ہوا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

حاشیہ

[1] الانعام 6: 71۔ [2] البقرہ 2: 204۔ [3] البقرہ 2: 207۔

حارث بن یزید اباضی کے یہ پیروکار قدریہ اور معتزلہ کے ہمنوا ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی وقدرت ہر چھوٹے بڑے امر کو محیط نہیں ہوتی جیسا کہ یہ ایسی نیکیوں کے وجود کے بھی قائل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی، یعنی جب انسان کوئی ایسا کام کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو وہ اطاعت گزار شمار ہوگا اگرچہ وہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کا ارادہ نہ بھی کرے۔[1] ابوالہذیل علاف معتزلی کا بھی یہی مذہب ہے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ روئے زمین پر جو بھی بے دین یا کافر ہے وہ بہت سے امور میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اگرچہ اپنے کفر کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہی ہے۔ اس کا ثبوت انھوں نے یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے بالمقابل اس کے نواہی ہیں۔ اب جو آدمی اسے نہیں پہچانتا اور اس کے جمیع اوامر کو چھوڑ دے تو لازم آئے گا کہ وہ اس کے تمام نواہی کا مرتکب ہو، اگر یہ بات [درست] ہو تو لازم آئے گا کہ ایک دھریہ یہودی، عیسائی، مجوسی اور باقی سب کافروں کے دین پر ہو۔[2]

ابراہیمیہ

یہ اباضیہ کے ایک آدمی جسے ابراہیم کہا جاتا تھا کے پیروکار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی جدا مذہب

---

[1] **ملحوظہ:** کتب بینی اور دورانِ مطالعہ کبھی کبھی ایسا اشکال سامنے آجاتا ہے جو کوششِ بسیار کے باوجود حل نہیں ہو پاتا حتیٰ کہ بعض اوقات آدمی مایوس ہو کر کتاب بند کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ذواشکال عبارت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس سے کچھ اگلی عبارت ضرور پڑھیے بسا اوقات اسی عبارت میں اس کا حل مل جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت یہاں پیدا ہو رہی ہے۔ اس اشکال کا حل آگے آنے والی مجوسی اور اس کے کفر کی مثال میں واضح ہو رہا ہے۔ فاقرأ و تدبر

[2] یہ عبارت کا ظاہری ترجمہ ہے مگر جب ہم اس کے مفہوم میں غور کرتے ہیں تو مذکورہ مثال کسی حقیقت تک پہنچتی نظر نہیں آتی۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ دہریہ وہ آدمی ہے جو دہر یعنی زمانہ کو اس کائنات کا متصرف مانتا ہو۔ یعنی سورج چڑھتا ہے غروب ہو جاتا ہے اس سے جو وقت پیدا ہوتا ہے وہی متصرف کائنات ہے۔ جیسے عام لوگ کہہ دیا کرتے ہیں: انسان کا بہترین دوست وقت ہے اور بدترین دشمن بھی وقت ہی مثلاً آدمی مفلوک الحال تھا زندگی سے ناامید مریض تھا وقت گزرتا گیا عرصہ بیتتا گیا اس کی حالت میں تبدیلی آتی گئی وہ کچھ عرصہ بعد مالدار ہو گیا اور تندرست وتوانا بھی ایسے ہی اس کے برعکس۔ تو مذکورہ دہریہ یہودی، عیسائی، ہندو یا سکھ کیسے بن سکتا ہے، حالانکہ ان لوگوں کے تو خاص عقائد ہیں خاص احکام ہیں اور خاص سوچ وفکر ہے۔ جنھیں مانے اور اپنائے بغیر کوئی آدمی ان مذاہب کا فرد شمار نہیں ہوتا، اس عبارت کے بارہ میں میں نے بعض اساتذہ کرام اور شیوخ الحدیث سے بھی رجوع کیا و لکن ما شفیتُ غلتی لہٰذا عبارت میں کچھ تسامح ہے جبکہ اگلی یعنی مجوسی کی مثال صاف سمجھ آرہی ہے۔

نہیں، انھیں اباضیہ کا فرقہ اس لیے شمار کیا جاتا ہے کہ ابراہیم نے اباضیہ کی ایک جماعت کو گھر بلایا اور اپنی ایک اباضیہ لونڈی سے اپنے [مہمانوں کے] سامنے کچھ پیش کرنے کا کہا۔ لونڈی نے کچھ دیر لگا دی تو اس نے قسم کھا کر کہا: وہ اسے بدوؤں کے ہاتھ بیچ دے گا، یہ بدو اباضیہ کے مخالف تھے تو ان میں سے ایک آدمی نے جس کا نام میمون، یہ میمون عجردی نہیں، تھا کہا تو مومنہ لونڈی کو کفار کے ہاتھ کیسے بیچے گا؟ ابراہیم نے کہا رب تعالیٰ نے بیع وشراء جائز کی ہے اور ہمارے علماء (یعنی مشائخ اباضیہ) اسے جائز سمجھتے رہے ہیں۔ مذکورہ میمون اس سے بیزار ہو گیا اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس فرقہ کے کچھ لوگ مل گئے جو ان کی تائید وحمایت کرتے تھے جبکہ کچھ نے توقف اختیار کیا، پھر انھوں نے اپنے بڑے مشائخ کو خط لکھا جس میں اس مسئلہ کے متعلق فتویٰ پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی بیع جائز تھی جبکہ میمون اور توقف کرنے والوں سے توبہ کرانا واجب ہے۔

میمونیہ

یہ اس میمون کے پیروکار ہیں جو ابراہیم سے اس وقت بیزار ہو گیا جب اس نے اپنے مخالفین کے ہاتھ لونڈی کی بیع کے جواز کا فتویٰ دیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے [اپنی کتاب] مقالات الاسلامیین میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میمون نے اپنی رائے چھوڑ دی اور ابراہیم کی مخالفت سے تائب ہو گیا۔

واقفیہ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے توقف کیا، نہ تو ابراہیم کو کافر کہا اور نہ اس کی موافقت کی اور اسی طرح نہ تو میمون کو کافر کہا اور نہ اس کی موافقت کی اور نہ ہی اس مسئلہ میں حلت وحرمت کے قائل ہوئے۔

بیہسیہ

یہ اس ابوبیہس ہیصم بن جابر ضبعی کے پیروکار ہیں جو ولید کے دور میں باغی ہوا۔ جب حجاج

نے اسے پیش ہونے کا کہا تو یہ مدینہ منورہ بھاگ گیا، پھر والیٔ مدینہ عثمان بن حیان مری نے اس کا پیچھا کر کے اسے پکڑ لیا اور قید کر دیا حتیٰ کہ اسے ولید کا خط پہنچا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں، پھر اسے قتل کر دیں تو اس نے اس سے یہی سلوک کیا۔

ابوبیہس باقی اباضیہ سے مخالفین کے ہاتھ لونڈی کی بیع کے مسئلہ میں الگ ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے ابراہیم کی رائے کو درست قرار دیا لیکن اس کے کفر کا فتویٰ دیا کیونکہ وہ واقفیہ سے بیزار نہ ہوا تھا اور میمون کو بھی کافر کہا کیونکہ اس نے مخالفین کے ہاتھ لونڈی کی بیع کو حرام کہا، نیز اس مسئلہ میں توقف کرنے والوں کو بھی کافر کہا کیونکہ انھوں نے میمون کے کفر اور ابراہیم کے قول کی صحت کو نہ پہچانا۔

اسی طرح اس کا یہ مذہب بھی تھا کہ ایمان قول و عمل نہیں بلکہ دل سے جاننے کا نام ہے، چنانچہ اس سے منقول ہے وہ کہا کرتا تھا:

ایمان کا معنی اقرار و علم ہے اور وہ ایک چیز [مثلاً علم] کو چھوڑ کر دوسری چیز [مثلاً اقرار] سے حاصل نہیں ہوتا۔

ایسے ہی بیہسیہ بھی کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے، چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا: جو آدمی کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو ہم اس پر کفر کی گواہی نہیں دیں گے حتیٰ کہ اسے امام کے سامنے پیش نہ کیا جائے اور وہ اس پر حد قائم نہ کر دے اور حاکم کے سامنے پیش کرنے سے قبل ہم اسے نہ مومن کہیں گے اور نہ کافر اور جس گناہ میں حد نہیں [جیسے ترک صلوٰۃ یا جھوٹ] تو وہ معاف ہے۔

اور ان میں سے بعض نے کہا جب امام کافر ہو جائے تو اس کی رعایا بھی کافر ہو گئی۔

ان کی ایک جماعت جس کا نام ''عوفیہ'' ہے کے دو فرقے ہیں جن میں سے ایک کہتا ہے کہ جو لوگ دار ہجرت سے [واپس] پیچھے بیٹھ رہنے کی حالت کی طرف لوٹ گئے تو ہم ان سے بیزار ہیں۔ جبکہ دوسرا کہتا ہے: ہم ان سے بیزار نہیں ہوں گے کیوں کہ وہ ایسے کام کی طرف لوٹے ہیں جو ان کے لیے جائز تھا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ بیھسیہ خوارج کا ایک اہم فرقہ ہے اور وہ اباضیہ کے تابع نہیں۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ جب نافع بن ازرق کا خط عبداللہ بن اباض اور بصرہ میں اس کے ساتھیوں کو ملا اور عبداللہ بن اباض نے نافع کے عقائد کے بارہ میں اپنا موقف بیان کیا تو ابوبیھس یا عبداللہ بن صفار نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ تجھے تباہ کرے نافع نے غلو کیا تو وہ کافر ہو گیا اور تو نے کوتاہی سے کام لیا تو تو بھی کافر ہو گیا،[1] پھر اس نے کہا:

اور میں کہتا ہوں یقیناً ہمارے اعداء رسول اللہ ﷺ کے اعداء کی طرح ہیں۔ ہمارے لیے ان میں اقامت جائز ہے جیسا کہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی اقامت کے دوران کیا کہ مشرکین کے احکام وہاں نافذ تھے، اور میرا خیال ہے کہ ان سے نکاح و معاشرت اور ان کی وراثتیں بھی جائز ہیں کیونکہ یہ منافق ہیں بظاہر مسلمان بنتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا حکم مشرکین کا سا ہے۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مذکورہ قائل ابوبیھس ہی تھا تو یہ اس آدمی [کی رائے] کی مؤید ہوگی جو بیھسیہ کو ایک مستقل فرقہ مانتا ہے جبکہ ابراہیمیہ کے بارہ میں ان کا موقف[2] اس نسبت کی صحت کا ساتھ نہیں دے رہا۔

خلاصۂ مذہب اباضیہ

① اہل قبلہ میں سے اپنے مخالفین کے ملک کو ماسوا بادشاہ کی چھاؤنی کے دار توحید سمجھتے ہیں کیونکہ وہ [چھاؤنی] ان کے خیال میں دار کفر ہے۔

② نفاق کے بارہ میں ان کے تین اقوال ہیں، چنانچہ ایک جماعت نے کہا: وہ شرک و ایمان دونوں سے براءت کا نام ہے قول اللہ تعالیٰ:

﴿ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰؤُلَاءِ وَ لَا اِلٰى هٰؤُلَا ﴾[3]

اور ایک جماعت نے کہا نفاق کا وصف انھی لوگوں پر محصور ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے نزول

---

① كما مر على ص :171.

② اى صوّب رأى ابراهيم و لكن أفتى بكفره كما مرعلى ص177.

③ النساء 4: 143.

قرآن کے وقت منافق کہا۔ اس لیے ہم لفظ نفاق کو اس کے مقام سے نہیں ہٹائیں گے اور ان لوگوں کے ماسوا جنھیں اللہ تعالیٰ نے منافق قرار دیا کسی اور کو منافق نہیں کہیں گے، جبکہ تیسری جماعت نے کہا: منافق اہل توحید ہیں لیکن وہ کبائر کے مرتکب ہوئے ہیں وہ شرک میں داخل نہیں ہوں گے اگر چہ ہم انھیں کافر کہیں۔

③ ان کا مذہب ہے کہ جس نے چوری کی یا زنا کیا تو اس پر حد قائم کی جائے گی، پھر اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔

④ ان کے ہاں عورتوں اور بچوں کا قتل جائز نہیں۔

⑤ انھوں نے [فرقہ] مُشبّہہ کو قتل کرنا اور ان میں سے پیٹھ دکھا کر بھاگ جانے والوں کا پیچھا کرنا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانا جائز رکھا، کیونکہ وہ مرتد ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے یہی سلوک کیا تھا۔

شیعہ

عربی زبان میں شیعہ کا معنی پیروکار اور مددگار ہے، کہا جاتا ہے: ھؤلا شیعة فلان "یہ لوگ فلاں کے شیعہ ہیں" یعنی اس کے پیروکار اور معاون ہیں۔ اس کا اطلاق واحد تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث سب پر ہوتا ہے، فرمان باری تعالیٰ:

﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ﴾[1]

اسی معنی پر محمول ہے، یعنی "بے شک ابراہیم علیہ السلام اس [نوح] کے پیروکاروں میں سے ہیں۔"

رہا اصطلاحی معنی تو اس میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض نے کہا وہ تغلیباً ان لوگوں کا خاص نام ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو دوست رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تعریف درست نہیں کیونکہ اہل سنت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو دوست رکھتے ہیں، حالانکہ وہ شیعہ کی ضد ہیں۔

اور بعض کا خیال ہے کہ شیعہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعاون کیا اور بطور نص آپ کی امامت کا اور یہ کہ آپ سے قبل والی امامت آپ پر ظلم تھی کا عقیدہ رکھا۔ [لیکن] یہ بھی غلط ہے کیونکہ بعض شیعہ بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو صحیح جانتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

اور بعض کی رائے ہے کہ شیعہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فوقیت دی اسی لیے کہا جاتا ہے فلاں عثمانی ہے اور فلاں حضرت علی کا پیروکار ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ شیعہ کے جمیع افراد کو شامل نہیں۔ چنانچہ یہ "کُثَیِّر عَزَّہ"[2] جیسے

---

[1] الصٰفّٰت 37: 83.

[2] بتشدید الیاء مصغرا و عزة بفتح العین بعد ھا زای معجمة اسم امرأة عشقھا فنسب الیھا۔ انظر المنجد ص 581 یہ کثیر بن عبدالرحمٰن بن ابی جمعہ ہے جیسا کہ ص 197 پر آ رہا ہے۔

افراد کو شامل نہیں کیونکہ وہ کہتا ہے۔

''میں اللہ تعالیٰ کی طرف ام عثمان کے بیٹے اور تمام خوارج سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور حضرت عمر سے بیزار ہوں اور [ابوبکر] عتیق سے بھی بیزار ہوں جس صبح انھیں امیر المومنین کہا گیا۔''

صحیح بات یہ کہ شیعہ ہر اس آدمی کا نام ہے جس نے حضرت علی کو ان سے قبل والے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر فوقیت دی اور یہ خیال کیا کہ اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

بعض اہل علم ان سب پر رافضہ کا اطلاق کرتے ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ یہ اسم بعض شیعہ کے لیے حضرت زید بن علی کے قول ''رَفَضْتُمُوْنِی'' یعنی تم نے مجھے چھوڑ دیا سے ماخوذ ہے اسی لیے ان کا نام ''رافضہ'' پڑ گیا۔ یہ زید بن علی پہلی صدی ہجری کے پورا ہونے کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دور میں ہوئے۔

اور بعض لوگ ان پر ''زیدیہ'' کا اطلاق کرتے ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ سبئیہ اور کیسانیہ [جو شیعہ کے فرقے ہیں] زیدیہ سے بہت عرصہ پہلے ہوئے ہیں۔

شیعہ چار بنیادی فرقوں میں منقسم ہیں:

① سبائیہ ② کیسانیہ ③ زیدیہ ④ رافضہ

سبائیہ

یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکار ہیں جو اہل صنعاء میں سے تھا اور اس کی ماں ایک سیاہ لونڈی تھی اس لیے اسے ابن سوداء بھی کہا جاتا ہے۔

یہ عبداللہ بن سبا ان لوگوں میں سے تھا جن کی ہنڈیاں اسلام اور اہل اسلام سے بغض کے ساتھ اُبل پڑیں اور وہ ان کے ساتھ علانیہ مقابلہ سے عاجز آ گئے جبکہ اسلام اپنے سائبان کو جزیرۂ عربیہ کے اطراف واکناف، عراق وشام اور مصر پر پھیلا چکا تھا، عبداللہ کو اس دین سے جنگ کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی طریقہ نظر نہ آیا کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کرے اور اپنے دل میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کینہ، دسیسہ کاری اور فریب کے لشکر چھپا رکھے۔

عبداللہ بن سبا نے اس خبیث مقصد کے لیے حضرت عثمان کے درگزر آپ کے نرم پہلو اور بعض لوگوں کے آپ پر چند امور کے بارہ میں اعتراض کو غنیمت جانا، ان میں سے ایک بات ان کا یہ خیال تھا کہ آپ نے حکم بن ابی العاص[1] کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے وہاں سے جلاوطن کر دیا تھا۔

عبداللہ بن سبا نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور پھر پرہیزگاری دینی غیرت اور دین کے دفاع میں فنا ہو جانے کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے شہروں میں گھومنے لگا۔ حضرت عثمان کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکاتا اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا، وہ حجاز سے شروع ہوا پھر بصرہ کوفہ شام اور پھر مصر گیا جہاں اسے اپنے تباہ کن اور زہریلے بیجوں [کے بونے] کے لیے سرسبز اور مناسب زمین میسر آئی، وہ وہیں رہا حتیٰ کہ اس نے ایک ایسی جماعت تیار کر لی جس کے

---

① صحابی أسلم یوم الفتح وسکن المدینة فکان فیما قیل یُفشی سر رسول اللّٰہ فنفاہ الی الطائف واعید الی المدینة فی خلافة عثمان فمات فیھا۔ (اعلام زر کلی 2 /268 .)

ذریعے وہ اپنا منصوبہ بروئے کار لانے پر قادر ہو گیا۔

وہ آگے بڑھ کر اپنے پیروکاروں کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ حضرت عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہما سے حق خلافت چھینا ہے اور اس محروم و مظلوم حاکم کا تعاون چھوڑ کر صبر سے بیٹھ رہنا صحیح نہیں۔

وہ ان فریب خوردہ لوگوں کو وصیت کرتے ہوئے کہتا:

''اس معاملہ میں اٹھ کھڑے ہو مسئلہ اٹھاؤ اور اپنے امراء پر اعتراض کے ذریعے اسے قوت و حمایت دو امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا اظہار کرو تا کہ لوگوں کو مائل کر سکو۔''

اللہ تعالیٰ کے دشمن اس عبداللہ بن سبا کی دعوت ان بعض مسلمانوں میں اثر کر گئی جن کے دل ایمان کی بہار و رونق سے منور نہیں ہوئے تھے چنانچہ انھوں نے مخفی طور پر اپنی رائے کی طرف دعوت دی اور وہ اسلامی شہروں کی طرف ایسے خطوط لکھنے لگے جو وہاں کے امراء پر اعتراضات اور ان پر خرابی کی بہت سی اقسام کے الزامات سے پُر ہوتے تھے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''یہ لوگ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں جستجو کسی اور کی کرتے ہیں۔ چھپاتے کچھ ہیں دکھاتے کچھ ہیں۔''

جب ابن سبا نے دیکھا کہ اس کے مجرمانہ منصوبوں کی تکمیل و تنفیذ کا موقع آ پہنچا تو اس نے اہل عراق میں سے اپنے ہم مشرب لوگوں سے خط و کتابت کی انھوں نے باہم عہد کیا کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے مدینہ منورہ میں مصریوں سے جا ملیں گے ان کا مقصد پورا ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور وہ پیشین گوئی سچ ثابت ہو گئی جس کی طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اشارہ کیا تھا جب انھیں جنت کی بشارت دی لیکن ایک بڑی مصیبت کے بعد جو آپ کو پہنچنا تھی۔

آپ کے بعد مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا خلیفہ بنا لیا۔

آپ کی بیعت پر ابن سبا نے خوشی کا اظہار کیا اور اپنے حواریوں کی طرف نئے عقائد پہنچانے لگا،

چنانچہ ابن سبا نے پہلے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ بے شک محمد ﷺ عنقریب دنیا میں لوٹ آئیں گے۔" وہ کہا کرتا تھا اس آدمی پر تعجب ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے اور اس بات کو جھٹلاتا ہے کہ محمد ﷺ واپس آئیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "بیشک وہ جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لوٹانے والا ہے۔"① اور محمد ﷺ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت واپسی کے زیادہ لائق ہیں۔ پھر ابن سبا نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اس نے تورات میں [لکھا] دیکھا ہے کہ "ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور یقیناً حضرت علی حضرت محمد ﷺ کے وصی ہیں اور جس طرح آپ خیر الانبیاء ہیں حضرت علی خیر الاوصیاء ہیں۔" پھر ابن سبا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرتا ہے، چنانچہ وہ سمجھتا ہے کہ آپ نبی ہی ہیں، پھر وہ اس سے بھی بڑھ کر یہ سمجھتا ہے کہ حضرت علی میں الوہیت کا ایک جز موجود ہے یا وہ خود ہی معبود والہ ہیں۔

اس کی اس گمراہی پر کوفہ کے بعض گمراہ اس کے پیچھے لگ گئے، ان میں سے بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے اور کہا: آپ وہی ہیں؟ حضرت علی نے پوچھا: وہی کون؟ انھوں نے کہا: آپ اللہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی سزا کے لیے آگ بھڑکانے اور انھیں اس میں پھینک دینے سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نظر نہ آئی۔ چنانچہ جب آپ نے ان سے یہ بات سنی تو اپنے غلام قُنبر کو حکم دیا تو اس نے دو گڑھے کھودے اور انھیں آگ سے بھر دیا، پھر جس آدمی کے بارے میں آپ کو ثبوت ملا کہ وہ اس خبیث مذہب پر ہے تو اسے ان میں پھینک دیا اسی بارہ میں شاعر کہتا ہے۔

"حوادث زمانہ پھر جہاں چاہیں مجھے پھینک دیں جب ان دو گڑھوں میں [جو مجھے پسند نہیں] نہ پھینکیں۔"

اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے اس بارہ میں کہا۔

"جب میں نے معاملہ بگڑتا ہوا دیکھا تو میں نے اپنی آگ بھڑکائی اور قُنبر کو بلایا۔"

---

① القصص 28: 85.

اور ان میں سے بعض لوگوں سے نقل کیا گیا ہے کہ جب انھیں آگ میں پھینکا جانے لگا تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اب ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ ہی معبود ہیں کیونکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

یہ افواہیں پھیل رہی تھیں کہ ابن سبا ہی ان گمراہیوں کا محور و مرکز ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ اسے بھی آگ میں پھینکنے کا عزم کر لیا تھا لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ ابن سبا کو قتل نہ کریں مبادا اس سے کوئی خطرناک فتنہ اٹھ کھڑا ہو اور تاکہ [آپ کے مخالفین] اہل شام بھی اس سے خوش نہ ہو سکیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن میں ''ساباط'' مقام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور جب عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تو ابن سبا نے گمان کیا کہ حضرت علی شہید نہیں ہوئے اور جسے عبدالرحمٰن بن ملجم نے شہید کیا تھا وہ ایک شیطان تھا جس نے حضرت علی کا روپ دھار لیا تھا، نیز اس نے کہا: جس طرح یہود و نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے اپنے دعوے میں جھوٹ بولا، بعینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے قائلین نے جھوٹ بکا۔ یہود و نصاریٰ نے تو صرف ایک سولی دیا ہوا شخص دیکھا ان پر یہ بات مشتبہ کر دی گئی کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں، ایسے ہی شہادت علی کے قائلین نے ایک مقتول کو دیکھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھا تو انھوں نے سمجھا یقیناً یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو آسمان کی طرف چڑھ گئے تھے اور آپ بادلوں میں چلتے پھرتے ہیں، بجلی آپ کا بید اور کڑک آپ کی آواز ہے اور یقیناً آپ دنیا میں واپس آئیں گے اور اسے اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی مشرق و مغرب آپ کے تابع ہو جائیں گے۔

امام شعبی سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا: ابن سبا سے کہا گیا: حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں تو اس نے کہا اگر تم ان کا دماغ بھی ایک تھیلی میں لے آؤ تب بھی ہم ان کی موت کی تصدیق نہیں کریں گے وہ فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ آسمان سے نہ اتریں اور پوری زمین پر

حکمرانی نہ کریں۔

خلاصۂ مذہب سبائیہ

① آپ ﷺ کے دنیا میں واپس آنے کے عقیدے کی اختراع۔

② اس عقیدے کی اختراع کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے وصی ہیں۔

③ حلول کا عقیدہ۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبوت کا قرار۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ۔

کیسانیہ

یہ اس کیسان کے پیروکار ہیں جس نے لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی امامت کی طرف دعوت دی۔ پھر اس کیسان کے بارے میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ بعض نے کہا: [نہیں] بلکہ یہ مختار بن ابی عبید ثقفی کذاب ہے اور کیسان اس کا لقب ہے۔ یہی قول اقرب [الی الصواب] ہے۔ کیونکہ یہ مختار وہ پہلا شخص ہے جس نے محمد بن حنفیہ کی امامت کی دعوت دی اور اس لقب کے لیے وہی آدمی مناسب ہے کیونکہ عربی میں کیسان دھوکے وفریب کا نام ہے۔

رہے محمد بن حنفیہ جن کی امامت کی دعوت خاص طور پر کیسانیہ نے دی تو وہ محمد بن علی بن ابی طالب ہیں، بعض نے کہا: ان کی والدہ ایاس حنفیہ کی بیٹی ہیں اور بعض نے کہا: بنی حنیفہ کے جعفر بن قیس بن سلمہ کی بیٹی (خولہ) ہیں۔ ارتداد کی جنگوں میں یہ یمامہ کے قیدیوں میں سے تھیں اور حضرت علی کے حصے میں آئی تھیں۔ اور بعض نے کہا: یہ بنی حنیفہ کی ایک سیاہ سندھی لونڈی تھیں، پھر انھی سے منسوب ہو گئیں۔

محمد بن حنفیہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں 16 ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک عالم فاضل اور بہادر آدمی تھے جنگ جمل کے روز اپنے والد محترم کا جھنڈا اٹھایا جبکہ آپ اکیس برس کے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب ان کے والد محترم [حضرت علی] نے انھیں جھنڈا دیا تو ان سے کہا۔

”انھیں اپنے باپ کا سا تیر مارنا [جب ایسا کریں گے] تو آپ کی تعریف کی جائے گی، جب جنگ نتیجہ خیز نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، مشرقی تلوار اور نیزے سے زرہ والے کو مارنا۔“

اپنے والد کی شہادت کے بعد آپ مدینہ منورہ آ گئے اور وہیں مقیم ہو گئے اور پھر مکہ مکرمہ چلے گئے، پھر عبداللہ بن زبیر کے دور میں منیٰ آ گئے اور پھر طائف چلے گئے، پھر شام میں عبدالملک بن

مروان کا قصد کیا۔ آپ 81ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، ابان بن عثمان نے آپ کے بیٹے ابو ہاشم کی اجازت سے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعض نے کہا: [نہیں] بلکہ وہ تو طائف میں فوت ہوئے، بعض نے کہا: [نہیں] بلکہ وہ تو [اردنی بندرگاہ] ایلہ میں فوت ہوئے جو فلسطین [کے علاقہ] میں ہے۔

بعض کیسانیہ کا خیال ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ رضویٰ نامی پہاڑ میں زندہ موجود ہیں۔ ان کے پاس دو اُبلتے ہوئے چشمے ہیں، ایک شہد بہاتا ہے اور دوسرا پانی۔ ان کے دائیں ایک شیر اور بائیں ایک چیتا ہے۔ وہ دونوں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور فرشتے ان سے ہم کلام ہوتے ہیں اور وہی مہدی منتظر ہیں، وہ رضوی نامی پہاڑ میں مقید ہیں تا آنکہ انھیں خروج کی اجازت دی جائے تاکہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں جیسا کہ وہ ظلم وزیادتی سے بھر دی گئی تھی۔

پھر یہ لوگ ان کے مقید کرنے کے سبب کے بارے میں مختلف الآراء ہیں، چنانچہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسے وہی جانتا ہے اور بعض کا کہنا ہے [نہیں] بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مقید کر کے سزا دی ہے کیونکہ انھوں نے شہادت حسین کے بعد یزید بن معاویہ کی طرف خروج کیا اس سے امان طلب کی اور وظیفہ لیا، پھر عبدالملک کا قصد کرتے اور ابن زبیر سے بھاگتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکلے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ان پر واجب تھا کہ ابن زبیر سے جنگ کریں اور راہِ فرار اختیار نہ کریں جیسا کہ انھیں یہ بھی زیبا نہ تھا کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس جائیں جب انھوں نے ایسا کیا تو مقید کر کے انھیں سزا دی گئی۔

کیسانیہ کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے ان کے اہم فرقے درج ذیل ہیں:

① مختاریہ ② کُربیہ ③ ہاشمیہ ④ حربیہ

مختاریہ

یہ مختار بن ابی مسعود[1] بن عمرو ثقفی کذاب کے پیروکار ہیں۔ عنفوانِ شباب میں یہ اپنے چچا سعد بن مسعود ثقفی کے ہمراہ تھا، جو مدائن کا حاکم تھا، جب خلافت کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی اور آپ مدائن کی قلعہ نما کوٹھی میں قیام پذیر ہوئے تو اس مختار نے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا: چچا جان! کیا آپ تونگری اور عزت وشرف چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: آپ حضرت حسین کو قید کرلیں اور ان کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے امان طلب کریں۔ سعد نے کہا: تجھ پر اللہ کی لعنت کیا میں نواسۂ رسول پر کود پڑوں اور اسے قید کرلوں؟ تو بہت برا آدمی ہے۔

علاوہ ازیں مختار صحیح منہج وطریقہ والا آدمی نہیں تھا، اس لیے ہم اسے دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت حسین کی حمایت کرنے والوں کی صفوف میں گھس جاتا ہے جب حضرت معاویہ فوت ہو جاتے ہیں اور اہل کوفہ حضرت حسین کو خطوط بھیج کر اصرار کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس آئیں تاکہ خلیفۃ المسلمین بن جائیں۔

اور جب حضرت حسین اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں آپ اہل کوفہ کے پاس جائیں اور وہ بات جو انھوں نے لکھی ہے، درست ہو تو مجھے اطلاع دیں تاکہ میں آپ سے آملوں۔

مسلم چلے حتیٰ کہ کوفہ جا پہنچے، اس وقت وہاں حضرت نعمان بن بشیر انصاری صحابی گورنر تھے،

---

[1] یہاں درست نام مختار بن ابی عبید معلوم ہوا ہے جیسا کہ ابھی ص 187 پر گزرا اور یہی بات مؤلف محترم کے آگے آنے والے قول "مع عمه سعد بن مسعود" سے ظاہر ہو رہی ہے۔

مسلم بن عقیل ایک آدمی کے ہاں جس کا نام عوسجہ تھا چھپے، صورت حال کا جائزہ لینے لگے اور مخفی طور پر حضرت حسین [کی امامت] کی طرف دعوت دینے لگے حتیٰ کہ بارہ ہزار سے زیادہ افراد نے آپ کی بیعت کرلی، پھر مسلم نے حضرت حسین کو خط لکھا اور کوفہ آنے کا کہا۔ جب حضرت حسین نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تو بہت سے بہی خواہوں نے آپ کو نصیحت کی کہ آپ وہاں عراق نہ جائیں کیونکہ اہل عراق کا آپ کے والد محترم اور برادرِ محترم سے دھوکہ معروف تھا۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے پر اصرار کیا [ادھر] جب یزید بن معاویہ کو حضرت حسین کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے کوفہ کی گورنری بھی گورنر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کردی جب صورت حال ابن زیاد کے قابو میں ہوگئی اور مسلم بن عقیل شہید کر دیے گئے اور معاملہ نواسۂ رسول کی شہادت تک جا پہنچا تو ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ مختار بن ابی عبید بھی ان لوگوں میں سے تھا جو مسلم بن عقیل کے ہمراہ حضرت حسین کی خلافت کی دعوت دینے میں شریک ہوئے اور وہ اب بھی کوفہ کے قریب چھپا ہوا ہے۔ ابن زیاد نے اسے پیش کرنے کا حکم دیا جب وہ اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اسے ایک سونٹا رسید کیا جو اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی آنکھ پھوڑ کر اس کی پلک الٹ دی، پھر اسے جیل میں ڈال دیا حتیٰ کہ اس کے سسرال میں سے کسی نے سفارش کی تو جیل سے نکالا اور اس سے کہا: میں تجھے تین دن کی مہلت دیتا ہوں اگر تو کوفہ سے نکل گیا تو بہت بہتر ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔

مختار مکہ کی طرف بھاگ نکلا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت کرلی۔ وہ ان کا وزیر بننا چاہتا تھا لیکن عبداللہ بن زبیر نہ اس سے مطمئن ہوئے نہ اس کی طرف مائل ہوئے کیونکہ آپ کو اس کی تلون مزاجی اور دھوکے کا علم تھا۔

جب مختار نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بے نیازی محسوس کی تو پھر کوفہ بھاگ آیا، معاویہ بن یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ ابن زبیر کی حکمرانی میں آچکا تھا، مختار جب کوفہ پہنچا تو کوفہ اور اس کے گردونواح کے شیعوں میں اپنے کارندے پھیلانے لگا، وہ ان سے وعدہ کرتا تھا کہ وہ حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے خروج کرے گا۔ شیعہ اس کی طرف مائل ہو گئے اور دھوکہ کھا گئے۔

جب اس کی قوت زور پکڑ گئی تو یہ کوفہ کے گورنر ہاؤس کی طرف چل پڑا وہاں سے عبداللہ بن زبیر کے گورنر عبداللہ بن مطیع عدوی کو نکال باہر کیا۔ اس دن مختار نے کوفہ میں موجود ان سب لوگوں کو قتل کر ڈالا جنھوں نے کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔

مختار نے کوفہ پر قبضہ کر لیا، اپنے لیے ایک کوٹھی بنوالی اور باغ لگوایا جس پر اس نے بڑا مال خرچ کیا جو اس نے بیت المال سے نکالا تھا اور بہت سا مال لوگوں میں بانٹ دیا تاکہ ان کی محبت حاصل کر سکے۔

پھر ابن زبیر سے صلح کا ارادہ کیا تو انھیں لکھ کر یہ خبر دی کہ میں نے ابن مطیع کو کوفہ سے صرف اس لیے نکالا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر تھا اور ابن زبیر سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے خرچ کردہ مال کو بیت المال کے حساب میں شمار کر لیں لیکن ابن زبیر نے اسے بالکل رد کر دیا۔

مختار باغی ہو گیا اور حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کو خط لکھ کر انھیں ترغیب دی کہ وہ لوگوں کو اس کی بیعت کی دعوت دیں اور اس کی امامت کا اعلان کر دیں، ساتھ ہی بہت سا مال بھی بھیجا۔ لیکن حضرت زین العابدین نے یہ بات قبول نہ کی حتیٰ کہ اس کے خط کا جواب تک نہ دیا، سرداروں کے سامنے مسجد نبوی میں اسے برا بھلا کہا اور اہل بیت کی طرف اس کے میلان کے دعویٰ میں اس کے جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کیا۔

جب مختار آپ سے مایوس ہو گیا تو اس نے آپ کے چچا محمد بن حنفیہ کو اسی مضمون کا خط لکھا۔ حضرت زین العابدین نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں۔ انھوں نے اپنے چچا کو بتلایا کہ جو بات مختار کو اس [سارے کام] پر آمادہ کر رہی ہے وہ حب آل بیت نہیں بلکہ حب آل بیت کے دعوے کے ذریعے عوام کے دلوں کو مائل کرنے کی خواہش ہے، اس کا باطن کچھ اور ہے ظاہر کچھ اور کیونکہ وہ اہلِ بیت کے دوستوں میں سے نہیں دشمنوں میں سے ہے۔

حضرت علی بن حسین نے اپنے چچا کو مشورہ دیا کہ وہ یہ بات مشہور کریں اور اس کے جھوٹ کو

اسی طرح واضح کریں جس طرح میں نے مسجد رسول میں کیا تھا، پھر حضرت ابن حنفیہ نے اپنے اقرباء سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا: آپ ایسا نہ کریں کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ [یہاں] ابن زبیر کے ہاں آپ کا کیا مقام ہے تو آپ مختار کے عیوب سے خاموش رہے اور مختار محمد بن حنفیہ کی امامت کی دعوت دینے لگا، بایں دعویٰ کہ آپ ہی مہدی اور وصی ہیں۔ وہ شیعہ سے کہتا تھا مجھے مہدی وصی نے تمھاری طرف اپنا امین اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ملحدین کے قتل اور ضعفاء کے دفاع کا حکم دیا ہے۔

جب اس کی قوت بہت بڑھ گئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو چھ ہزار کا لشکر دے کر عبید اللہ بن زیاد سے جنگ کرنے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے بھیجا۔ ابن زیاد موصل میں اَسّی ہزار شامیوں کے لشکر میں موجود تھا۔ عبد الملک نے اسے ان کا امیر مقرر کیا تھا، چنانچہ دونوں لشکروں کا نہر خازر کے پاس باب موصل پر ٹکراؤ ہوا۔ ابن زیاد اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی ان کے ستر ہزار آدمی مارے گئے جن میں عبید اللہ بن زیاد اور حصین بن عمیر سکونی بھی شامل تھے، ابن زیاد کا سر مختار کی طرف بھیجا گیا، اس طرح عراق عرب و عراق عجم اور جزیرہ پر تا حدودِ آرمینیا اس کا تسلط قائم ہو گیا۔

جب یہ کام پورا ہو گیا تو مختار کاہن بن گیا اور کاہنوں کی سجع کلامی کی طرح مسجع کلام جوڑنے لگا اس کا درج ذیل قول اسی سجع میں سے ہے:

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بصیرت سے نوازا اور میرے دل کو بہت روشن کیا، اللہ کی قسم! میں شہر میں بہت سے گھر جلا ڈالوں گا اور یہاں کی بہت سی قبروں کو اکھاڑ دوں گا اور اس سے بہت سے سینوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں گا۔ ہدایت اور مدد کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔''

پھر اس نے کہا:

''حرم اور بیت حرم کی قسم! معزز رکن و مسجد اور قلم والے [اللہ] کے حق کی قسم! میرا جھنڈا یہاں سے اِضم [1] تک اور پھر ذی سلم کے کونوں تک ضرور بلند ہو گا۔''

---

[1] بکسر اولہ و فتح ثانیہ مدینہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ اشجع اور جہینہ قبیلوں کا ایک مقبوضہ پہاڑ ہے۔ (معجم ما استعجم: ص1 /153.)

پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس کی طرف وحی آتی ہے۔ ابن حنفیہ کو جب مختار کے انحرافِ دین اور گمراہیوں کا علم ہوا اور انھیں اندیشہ ہوا کہ وہ لوگوں کو دین حق سے گمراہ کر دے گا تو آپ نے عراق جانے کا عزم کیا تاکہ وہاں کے لوگ جو آپ کے معتقد تھے، آپ کے ساتھ ہو جائیں۔ جب مختار نے یہ بات سنی اور اسے آپ کے عراق آنے کی بنا پر اپنی حکومت چھن جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے اپنی فوج سے کہا: میں مہدی کی بیعت پر قائم ہوں لیکن مہدی کی ایک علامت ہے وہ یہ کہ اسے تلوار کی ایک ضرب لگائی جائے اگر تلوار اس کے چمڑے کو نہ کاٹے تو وہ مہدی ہے۔

یہ بات ابن حنفیہ کو پہنچی تو وہ مختار سے اپنی جان کا خطرہ کھاتے ہوئے اپنے ارادے سے باز رہے اور اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ جب اہل کوفہ کے سامنے دین اسلام سے مختار کا انحراف ظاہر ہوا اور اس کی گمراہی ان کے سامنے آئی تو انھوں نے اس سے بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ سبائیہ اور اہل کوفہ کے صرف وہ غلام رہ گئے جن سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے مالکوں کے مال انھیں دے دے گا، پھر اس نے ان کے ذریعے باغیوں سے جنگ کی اور سبائیہ اسے کہتے تھے: تو اس زمانہ کی حجت ہے۔

اس کے پاس پرانے زمانے کی ایک کرسی تھی جس پر اس نے ریشم چڑھایا ہوا تھا اور انواع و اقسام کی زینت سے وہ مزین تھی اس نے [اس کے بارے میں] کہا: یہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خزانوں میں سے ہے اور یہ بنی اسرائیل کے تابوت کی طرح ہے اس لیے جب یہ جنگ کرتا تو اس کرسی کو آگے رکھتا اور اپنے پیروکاروں سے کہتا: لڑو! کامیابی اور غلبہ تمھارے ہی لیے ہے، تمھارے درمیان اس کرسی کا مقام بنی اسرائیل کے درمیان تابوت کا سا ہے اس میں سکون اور بقیہ ہے۔[1] اور فرشتے تمھاری مدد کو اتریں گے۔

---

[1] اس نے اپنے اس قول میں درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:
﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَ آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ (البقرة 2:248)

اس نے اہل کوفہ میں سے ان بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا جنھوں نے اس کی بغاوت کی۔ اور ان میں سے ایک جماعت کو قیدی بھی بنا لیا، انھی قیدیوں میں سے ایک آدمی سراقہ بن مرداس بارقی تھا [جب] اسے خطرہ ہوا کہ مختار اسے قتل کر دے گا تو اس نے اپنے قید کرنے والوں سے کہا: ہمیں تم نے قید نہیں کیا اور نہ تم نے ہمیں اپنے ہتھیاروں سے شکست دی ہمیں تو ان فرشتوں نے شکست دی جنھیں ہم نے سیاہ وسفید گھوڑوں پر تمھارے لشکر کے اوپر دیکھا، جب مختار کو اس کی یہ بات پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور اسے رہا کر دیا، پھر یہ بصرہ میں مصعب بن زبیر سے جا ملا اور وہاں سے مختار کو خط لکھا۔ اس میں وہ کہتا ہے:

''خبردار! ابواسحاق کو یہ بات پہنچا دو کہ یقیناً میں نے چتکبرے گھوڑوں کو کسی دھبے سے محفوظ بالکل سیاہ دیکھا ہے۔ میں اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھاتا ہوں جو انھوں نے دیکھی نہیں، ہم دونوں ہی باطل باتوں سے واقف ہیں۔ میں نے تمھاری وحی کا انکار کیا اور میں نے تم سے موت تک جنگ کی نذر مانی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو عراق کا گورنر مقرر کیا تھا اور مختار سے جنگ و جدال کا معاملہ بھی اسے سونپا تھا، چنانچہ وہ بصرہ میں داخل ہوا اور وہیں مختار کا کام تمام کرنے کی تیاری کی، پھر سات ہزار آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوا یہ تعداد ان سادات کوفہ کے علاوہ ہے جو اس سے آ کر مل گئے۔

یہ خبریں مختار کو پہنچیں تو اس نے اپنے ساتھی احمد بن شُمیط کو اپنے لشکر کے چنے ہوئے تین ہزار افراد کے ساتھ مصعب سے جنگ کے لیے نکالا اور انھیں خبر دی کہ یقیناً آپ فاتح ہوں گے، اس نے دعویٰ کیا کہ اس بات کی وحی اس پر اتر چکی ہے، پھر مدائن میں دونوں لشکروں کے مابین مڈبھیڑ ہوئی، مختار کے فوجی شکست کھا گئے اور ان کا امیر ابن شمیط قتل کر دیا گیا ان کے شکست خوردہ لوگ واپس مختار کے پاس آئے اور اس سے کہا: آپ ہمیں دشمن پر فتح کا وعدہ کس بنیاد پر دیتے ہیں۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا لیکن اللہ کو خیال سوجھ گیا، پھر اس نے یہ آیت

پڑھ دی:

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ ﴾[1]

''یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔''

پھر مختار بذات خود کوفہ کے قریب مقام ''مذار'' میں مصعب بن زبیر سے جنگ کے لیے نکلا لڑائی کی چکی چلی اور شکست مختار اور اس کے ساتھیوں کا مقدر بنی، چنانچہ شکست کھا کر وہ کوفہ کے گورنر ہاؤس کی طرف چلے گئے اور اس میں قلعہ بند ہو گئے۔ مصعب بن زبیر نے کئی دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا حتیٰ کہ ان کا کھانا پینا ختم ہو گیا۔[2] پھر وہ قتل کا مطالبہ کرتے ہوئے باہر نکلے اور سب کے سب قتل کر دیے گئے، مختار ان کے ساتھ تھا۔ یہ 67 ھ کا واقعہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مختار کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا تھا جیسا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے منقول ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے اللہ کے رسول کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی ثقیف میں ایک کذاب اور ایک سفاک پیدا ہوگا، اسماء نے حجاج سے کہا: رہا کذاب اسے تو ہم جان چکے [یعنی یہی مختار] اور رہا سفاک تو وہ میں تجھے ہی سمجھتی ہوں۔[3]

خلاصہ مذہب مختاریہ

① ان کا محمد بن حنفیہ کی امامت کا دعویٰ۔

② ان کا خیال کہ یہی وصی ہے۔

③ اور یہی مہدی منتظر ہے۔

---

① الرعد 13: 39.

② یہاں متن کتاب میں کچھ مطبعی غلطیاں آ گئی ہیں جس سے صحیح معنی کرنے میں دشواری پیش آتی ہے، متن میں ہے: (فانهزموا الى دار الامارة بالكوفة و تحصن فيها فحاصره مصعب فيها اياما حتى فنى طعامه) یہاں تحصن کی جگہ ''تحصّنوا'' پڑھا جائے اور ''فحاصره'' کی جگہ ''فحاصرهم'' اور ''طعامه'' کی جگہ ''طعامهم'' پڑھا جائے تو معنی صحیح ہو جاتا ہے۔ واللہ أعلم و علمه أتم

③ صحيح مسلم، فضائل الصحابه، باب ذكر كذاب ثقيف......، حديث :2545.

④ اللہ تعالیٰ کے لیے بداء، یعنی خیال سوجھنے کے امکان کا قول۔ اللہ تعالیٰ ان ھفوات سے بہت بلند ہے جو یہ کہتے ہیں۔

⑤ پھر مختار کا یہ خیال کہ اس پر وحی آتی ہے اور اس کا دعویٰ نبوت۔

کربیہ

یہ ابو کرب ضریر کے پیروکار ہیں [باقی کیسانیہ سے الگ] یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ محمد بن حنفیہ فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ رضویٰ نامی پہاڑ میں بقید حیات ہیں آپ کے دائیں ایک شیر اور بائیں ایک چیتا ہے جو آپ کی نگرانی اور حفاظت کرتے ہیں، ان کا رزق انھیں صبح وشام ملتا ہے، ان کے پاس دو ابلتے ہوئے چشمے ہیں، ان میں سے ایک پانی بہاتا ہے اور دوسرا شہد۔ ان کے اردگرد فرشتے ہیں جو ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

بعض کربیہ کا خیال ہے کہ ان کے ساتھ ایک جماعت رضویٰ پہاڑ میں داخل ہوئی تھی نہ وہ وہاں سے نکلے اور نہ ان کی کوئی خبر معلوم ہوئی۔

کُثیر عزہ کے لقب سے مشہور شاعر کُثیر بن عبدالرحمٰن بن ابی جمعہ اس مذہب کے مشہور علماء میں سے ہے، اس ردی مذہب کے ثبوت میں وہ کہتا ہے۔

① خبردار! یقیناً ائمہ کرام قریش میں سے ہیں برحق حاکم ہیں وہ پورے چار ہیں۔

② علی ہیں اور تین ان کے بیٹوں میں سے ہیں۔ وہ نواسے ہیں جو مخفی نہیں۔

③ چنانچہ ایک نواسہ ایمان اور نیکی کا نواسہ ہے اور ایک نواسے کو کربلا نے دفن کر لیا ہے۔

④ اور ایک نواسے کو جب تک وہ گھوڑے نہ ہانک لے، موت نہیں آئے گی اس کے آگے جھنڈا ہوگا۔ وہ رضویٰ نامی پہاڑ میں چھپ گیا ہے ایک زمانے تک وہ ان میں نظر نہیں آیا اس کے پاس شہد اور پانی ہے۔

سید حمیری کے لقب سے مشہور شاعر بھی کربیہ کے مشہور علماء میں سے ہے۔ اسی ردی مذہب کو ثابت کرنے کے لیے وہ کہتا ہے۔

خبردار! وصی سے کہہ دو: میری جان آپ پر قربان ہو، آپ نے اس پہاڑ میں لمبا قیام کیا ہے، پھر وہ کہتا ہے۔

① ابن خولہ[1] نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا نہ ہی زمین نے اس کی ہڈیوں کو چھپایا۔

② وہ رضویٰ کی گھاٹی کے راستے میں ہے۔ فرشتے اس سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

③ بے شک ہر روز اس کے لیے رزق ہے اور پینے کی چیزیں ہیں جن سے وہ کھانے کے ساتھ گھونٹ گھونٹ پلایا جا رہا ہے۔

شیخ عبدالقاہر بغدادی نے یہ اشعار کثیر عزہ کی طرف بھی منسوب فرمائے ہیں۔[2]

خلاصہ مذہب کربیہ

① محمد بن حنفیہ کے وصی ہونے کا اعتقاد۔

② اس کے مہدی منتظر ہونے کا اعتقاد۔

③ اس کے زندہ ہونے اور رضویٰ پہاڑ میں مقیم ہونے کا اعتقاد۔ یہاں تک کہ اسے خروج کی اجازت ملے تاکہ وہ زمین کو عدل سے بھر دے جیسا کہ وہ ظلم سے بھری گئی۔

① ص 187 پر گزر چکا کہ خولہ محمد بن حنفیہ کی والدہ کا نام ہے۔

② دیکھیے "الفرق بین الفِرَق"، ص 50 للشیخ عبدالقاهر محمد بغدادی المتوفی:429ھ

ہاشمیہ

یہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سے منسوب ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محمد بن حنفیہ کے بعد امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم کی طرف منتقل ہوگئی، ابو ہاشم ثقہ اور عظیم المرتبہ عالم تھے۔ ہاشمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے حضرت علی کو ترجیح دے کر ظاہری اور باطنی علوم کے اسرار آپ کو سونپ دیے تو تمام کائنات کے اسرار کے علوم آپ کو مل گئے اور حضرت علی نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو ترجیح دے کر یہ اسرار آپ کو سونپ دیے، پھر محمد بن حنفیہ نے یہ اسرار سونپنے کے لیے اپنے لخت جگر ابو ہاشم کو ترجیح دی، پس انھیں یہ اسرار سونپے ہوئے ہیں، اسی لیے امامت ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

ابو ہاشم شام گئے اور خارجیوں کے علاقے کی ''حُمیمہ'' نامی بستی میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ہاں پڑاؤ کیا اور انھی کے ہاں 98ھ یا 99ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے دور میں فوت ہوگئے۔ بعض کا خیال ہے: چونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی، اس لیے انھوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت کی اور اس کے بعد امامت بنو عباس کو منتقل ہوگئی۔

خلاصۂ مذہب ہاشمیہ

① ابن حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم امام ہیں۔
② کائنات کے تمام امور ابو ہاشم کو منتقل ہوگئے۔
③ اس بنا پر وہ امامت کے مستحق قرار پائے۔

بیانیہ

یہ بیان بن سمعان نہدی یمنی کے پیروکار ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم کی وصیت کی بنا پر امامت ابو ہاشم سے بیان بن سمعان کو منتقل ہوگئی۔ اپنے امیر بیان کے بارے میں یہ لوگ مختلف ہیں، چنانچہ بعض نے اسے نبی سمجھا اور عقیدہ رکھا کہ اس نے شریعت محمد ﷺ کا بعض حصہ منسوخ کر دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ معبود ہے۔

یہ لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بیان نے ان سے کہا: معبود کی روح انبیاء اور ائمہ میں حلول کرتی ہے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اس میں اسی جزوِ الٰہی کی بنا پر تھا۔

یہ روح الٰہی منتقل ہوتی آئی حتیٰ کہ حضرت علی بن ابی طالب تک آپہنچی اور ان کے جسم کے ساتھ منضم ہوگئی، اس وجہ سے آپ غیب جانتے، فتنوں کے بارے میں خبر دیتے اور کفار پر فتح پاتے تھے۔ اسی کے ذریعہ انھوں نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا۔

بیان نے کہا: بعض اوقات حضرت علی ظاہر ہوتے ہیں اور اس نے فرمان باری تعالیٰ:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾[1]

کی یہی تفسیر بیان کی۔ بیان، اللہ تعالیٰ اسے بدصورت کر دے، کی مراد تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان بادلوں میں آتے ہیں، کڑک آپ کی آواز ہے اور بجلی آپ کی مسکراہٹ۔

پھر بیان نے گمان کیا کہ جزو الٰہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابن حنفیہ، پھر ابو ہاشم اور پھر خود اس کی طرف منتقل ہوگیا اور اس نے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کر دیا اور گمان کیا کہ آیت قرآنی:

﴿هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾[2]

---

[1] البقرہ 2: 210۔ [2] آل عمران 3: 138۔

میں اس کا تذکرہ ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت و نصیحت۔

نیز بیان کا خیال تھا کہ اس کا ازلی معبود نور کا ایک آدمی ہے جو تمام اعضاء میں انسان کے مشابہ ہے اور وہ چہرے کے ماسوا پورے کا پورا جسم ہلاک ہو جائے گا۔ اپنے اس عقیدے کے [اثبات] کے لیے اس نے فرمان باری تعالیٰ:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾[1]

''یعنی اس کے چہرے کے ماسوا ہر چیز تباہ ہونے والی ہے اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اور ایسے ہی فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾[2]

کی بھی اس نے یہی تاویل کی۔

بیان نے محمد بن علی بن حسن جو باقر کے لقب سے مشہور ہیں، کو ایک خط لکھا اور انھیں اپنے گندے مذہب کی دعوت دی۔ اس نے خط میں لکھا: آپ اسلام لے آئیں سلامت رہیں گے اور سیڑھی پر چڑھ جائیں گے، نجات پا جائیں گے اور غنیمت حاصل کریں گے کیونکہ آپ اس جگہ کو نہیں جانتے جہاں اللہ تعالیٰ نبوت دیتا ہے۔

محمد باقر نے اس کے جواب میں صرف یہ کیا کہ بیان کے ایلچی جس کا نام عمر بن عفیف تھا کو اس کاغذ کے کھانے کا حکم دیا جس پر وہ خط تحریر تھا اس نے وہ خط کھایا تو فوراً مر گیا۔

بیان کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا ہے اور اس سے کلی کو پکارتا ہے تو وہ جواباً بولتی ہے۔ اس نے اپنا یہ خبیث مذہب دوسری صدی ہجری کے شروع میں عراق میں پھیلایا یہ خالد بن عبداللہ قسری کا دور تھا جب خالد کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے حیلے سے اسے پکڑ لیا۔ جب پکڑ لیا تو

---

[1] القصص 28: 88۔ [2] الرحمٰن 55: 26،27۔

اس سے کہا: اگر تو اس اسم کے ساتھ جسے تو جانتا ہے، لشکروں کو شکست دیتا ہے تو میرے لشکروں کو شکست دے کر دکھا، پھر اسے سولی دے کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس کے شر سے آرام بخشا۔

خلاصہ مذہب بیانیہ

① ابو ہاشم کی امامت کا اقرار۔

② اس کے بعد بیان کی امامت کا اقرار۔

③ حلول کا عقیدہ۔

④ تناسخ ارواح کا عقیدہ۔

⑤ حضرت علی بن ابو طالب کی الوہیت کا عقیدہ۔

⑥ بیان کی نبوت اور اس کی الوہیت کا عقیدہ۔

حربیہ

یہ عبداللہ بن عمرو بن حرب کندی کے پیروکار ہیں۔ یہ کندی بیان بن سمعان کے پیروکاروں میں سے تھا، پھر بیانیہ کو چھوڑ گیا اور یہ خیال کیا کہ ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ نے اسے وصیت کی تھی اور امامت بنو ہاشم سے نکل کر عبداللہ بن عمرو بن حرب میں آ پہنچی۔ اسی طرح اس کا خیال تھا کہ معبود کی روح انبیاء اور ائمہ میں منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ تک آ پہنچی اور پھر اس [عبداللہ بن عمرو] کی طرف منتقل ہوگئی۔ جس طرح بیان بن سمعان کے بارہ میں اس کے پیروکاروں کے مختلف عقیدے تھے اسی طرح اس کے بارے میں بھی اس کے پیروکاروں میں اختلاف تھا، چنانچہ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ عبداللہ بن عمرو نبی تھا اور بعض کا خیال تھا کہ وہ معبود تھا۔ لیکن وہ اس سے محبت ومودت پر قائم رہے حتیٰ کہ اس کی بہت سی جھوٹی باتوں خباثتوں اور رسوا کن جہالت کا انھیں علم ہوا۔

شیخ ابوالحسن اشعری اور شیخ شہرستانی کی کلام بتا رہی ہے کہ وہ اسی بنا پر اس کے اردگرد سے منتشر ہو گئے اور امام تلاش کرتے ہوئے مدینہ منورہ کو چل پڑے، پھر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب سے ان کی ملاقات ہوگئی، انھوں نے ان لوگوں کو اپنی اقتدا کی دعوت دی تو یہ مان گئے اور ان کی امامت کے تابع ہو گئے اور ان کے لیے وصیت کا دعویٰ کر دیا۔

یہ عبداللہ ایک بہادر آدمی تھا اس کا عقیدہ تھا کہ ارواح ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں اور جزاوسزا صرف اسی دنیا میں ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اچھا بدلہ دے جانی والی روح آلام ومصائب سے خالی شخص میں حلول کر جائے اور برا بدلہ دی جانے والی روح آلام و مصائب میں مبتلا کسی شخص یا حیوان میں حلول کر جائے، خود اس نے اور اس کے پیروکاروں نے

جنت اور جہنم کا انکار کر دیا شراب، زنا اور دیگر محرمات کو جائز کر لیا اور فرمان باری تعالیٰ:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا ﴾[1]

''یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک بن گئے ان پر کوئی حرج نہیں اس چیز میں جسے وہ کھائیں جبکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔''

کی یہ تاویل کی کہ ان میں سے جو آدمی امام تک پہنچ گیا اور اسے پہچان گیا اس پر ان تمام چیزوں کا کوئی حرج نہیں ہوتا جو وہ کھائے اور وہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

اس فرقے کا مذہب خرمیہ[2] سے ملتا جلتا ہے اس سے مزدکیہ[3] کی دعوت کی تجدید ہوئی جیسا کہ انھوں نے عبادات کی یہ تاویل کی کہ یہ حضرت علی کے ان اہل بیت سے کنایہ ہیں جن کی اطاعت اور محبت ومودت فرض ہے، اسی طرح انھوں نے قران میں مذکور محرمات کی یہ تاویل کی کہ یہ اس قوم سے کنایہ ہیں جن سے بغض رکھنا ہم پر واجب ہے جیسا کہ صدیق و فاروق اور ذی النورین رضی اللہ عنہم۔

اس عبداللہ کا عقیدہ تھا کہ معبود کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ اس نے نبوت والوہیت دونوں کا بیک وقت دعویٰ کیا اور اس کے پیروکاروں نے آسمان اور زمین کے خالق کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی۔

عبداللہ کا ظہور مروان کے دور میں ہوا اس نے کوفہ کی طرف خروج کیا اور وہاں کے امیر سے جنگ کی، پھر اس نے خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے امان طلب کی تو امیر نے انھیں امان دے دی۔ وہ مدائن چلے گئے اور حلوان اور اس کے گرد و نواح پر غالب آ گئے، پھر اس نے ہمدان،

---

[1] المائدۃ 5 931.

[2] علی وزن سُکَّرَۃ قریۃ بفارس منھا بابك الخرّمیّ (وھو زعیم ھذہ الفرقۃ) قاموس 2 421.

[3] مَزدک ایران کے ایک فصیح و بلیغ کا نام ہے جو نوشیروان کے باپ کے عہد میں تھا اور اس نے ایک نیا مذہب نکالا تھا، نوشروان نے بادشاہ ہونے پر اس لیے اسے مرواڈالا۔ فیروز اللغات فارسی ص 2 3941.

رے اور اصفہان پر قبضہ کرلیا۔ وہ ایسے ہی [قابض] رہا حتیٰ کہ ابو مسلم خراسانی کی قوت زور پکڑ گئی، وہ اس کی طرف گئے اور اسے نیست و نابود کر دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ فتنہ ختم کر دیا اور مسلمانوں کو اس کے شر سے آرام بخشا۔

خلاصہ مذہب حربیہ

① بنو ہاشم سے امامت کا نکل جانا۔

② عبداللہ بن عمرو بن حرب کی امامت کا قائل ہونا۔

③ تناسخ ارواح کا قائل ہونا۔

④ حلول کا عقیدہ رکھنا۔

⑤ بعض کا عبداللہ بن عمرو کی نبوت کا دعویٰ کرنا اور بعض کا اس کی الوہیت کا دعویٰ کرنا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بدصورت بنا دے۔

زیدیہ

یہ زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم کی امامت کے قائل ہیں۔ زید ملک شام میں رصافہ کے مقام پر ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا تو اس نے اس کی خاطر تواضع نہ کی بلکہ اس سے کہا: تو وہی ہے جس سے اس کا نفس خلافت کے بارے میں کھینچا تانی کرتا ہے، حالانکہ تو ایک لونڈی کا بیٹا ہے (زید کی ماں ایک لونڈی تھی جو مختار ثقفی کذاب نے زین العابدین حضرت علی [بن حسین] کو تحفۃً دی تھی اور ان سے اس کے ہاں علی، زید، عمر اور خدیجہ پیدا ہوئے)

زید نے جواباً کہا: مائیں مردوں کو بلند مقاصد [حاصل کرنے] سے نہیں روکتیں۔ [یہ دیکھیں!] ام اسماعیل، ام اسحاق علیہما السلام کی لونڈی ہی تو تھیں لیکن یہ اس بات میں حائل نہ ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبی اور عربوں کا جد اعلیٰ بنا دیا اور ان کی پشت سے خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرما دیا، پھر تو مجھ سے یہ بات کہتا ہے، حالانکہ میں فاطمہ و علی کی نسل سے ہوں، پھر آپ وہاں سے باہر آ گئے۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل کوفہ نے آپ کو خطوط لکھے تاکہ امامت پر آپ کی بیعت کریں اور انھوں نے اپنے ہاں آنے کے لیے آپ پر زور دیا۔ آپ نے اپنے بھائی ابو محمد جعفر باقر سے مشورہ کیا۔ حضرت باقر نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ شیعانِ کوفہ کی طرف میلان نہ رکھیں کیونکہ وہ لوگ دھوکے اور فریب والے ہیں، اور کہا: اُسی شہر میں آپ کے پردادا حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کیا گیا، اسی میں آپ کے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا گیا اور اسی میں آپ کے دادا حضرت حسن رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے۔ اسی کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں ہم اہل بیت کو گالیاں دی گئیں۔ [یہ بھی] کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ نصیحت حضرت جعفر صادق نے کی لیکن حضرت زید نے

اس مشورہ پر عمل نہ کیا بلکہ وہاں جانے پر اصرار کیا اور حق کے مطالبے کے عزم سے دستبردار ہونے سے انکار کیا۔

جب وہ کوفہ آئے تو کوفہ کے پندرہ ہزار سے زیادہ افراد نے ان کی بیعت کی اور والیٔ عراق یوسف بن عمر ثقفی سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے جب جنگ شروع ہوئی تو انھوں نے حضرت زید سے کہا: ہم آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد بعد میں کریں گے، پہلے آپ ہمیں ابوبکر و عمر، جنھوں نے آپ کے پردادا حضرت علی کی حق تلفی کی، کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کریں۔ حضرت زید نے کہا: میں تو ان کے بارے میں اچھی بات ہی کہہ سکتا ہوں اور میں نے اپنے ابا جان کو ان کے بارے میں اچھی بات کہتے ہی سنا تھا۔ وہ دونوں میرے جدِ اعلیٰ کے وزیر تھے۔ میں نے تو بنی امیہ پر خروج کیا ہے جنھوں نے میرے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور حرّہ [1] کے روز مدینہ پر حملہ کیا، پھر خانہ کعبہ پر منجنیق [2] سے پتھر اور آگ برسائی۔

جب ان لوگوں نے حضرت زید کی یہ باتیں سنیں تو تتر بتر ہو گئے۔ حضرت زید نے [اس موقعہ پر] ان سے کہا: ''رَفَضْتُمُوْنِی'' کہ تم نے مجھے چھوڑ دیا اور پھینک دیا۔ اس بنا پر انھیں رافضہ کہا گیا۔ وہ آپ کو آپ کے ساتھیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت میں چھوڑ گئے جو یوسف بن عمر ثقفی کے مقابلہ میں شکست کھا گئی۔ حضرت زید نے خوب لڑائی کے جوہر دکھائے حتیٰ کہ فریقین کے درمیان شام حائل ہو گئی حضرت زید زخموں سے چور ہو گئے اور آپ کی پیشانی پر ایک تیر آ لگا آپ کے ساتھیوں نے کسی ایسے آدمی کی تلاش کی جو تیر کا یہ بھالا نکال دے، کسی بستی سے ایک سینگی لگانے والے کو لایا گیا انھوں نے اس سے یہ معاملہ چھپانے کا کہا: جوں ہی بھالا نکلا حضرت زید فوت ہو گئے، پھر انھوں نے آپ کو ایک ندی میں دفن کر دیا اور قبر پر گھاس اور مٹی ڈال کر اوپر سے

---

[1] ''یوم الحرّۃ'' تاریخ اسلام کا ایک عظیم حادثہ ہے جو 63ھ کے آخر اور یزید کے دورِ حکومت میں مدینہ کے قریب حرہ مقام پر پیش آیا۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے البدایہ و النہایہ 8 /220۔

[2] ایک عظیم جنگی ہتھیار جو پتھر وغیرہ دور پھینکنے کے کام آتا ہے۔

پانی جاری کر دیا یہ 121ھ یا 122ھ کا واقعہ ہے۔

آپ کے ساتھی وہاں سے ادھر ادھر بکھر گئے لیکن سنگی لگانے والے نے وہ جگہ پہچان لی جہاں حضرت زید کو دفن کیا گیا تھا صبح ہوئی تو وہ یوسف بن عمر کے پاس گیا اور اسے حضرت زید کی لاش کی جگہ بتلائی۔ یوسف بن عمر نے وہاں سے آپ کی لاش نکلوالی اور آپ کا سر ہشام کی طرف روانہ کر دیا، ہشام نے لکھا کہ اس [کے جسم] کو ننگا کر کے تختۂ دار پر لٹکا دو اس نے اسی طرح اسے دیر تک تختۂ دار پر لٹائے رکھا، پھر ہشام نے یوسف بن عمر کو زید کی لاش جلا ڈالنے اور راکھ کو فرات پر ہوا میں اڑا دینے کا حکم دیا۔

جب حضرت زید کو قتل کر دیا گیا تو آپ کا بیٹا یحییٰ خراسان گیا اور اپنے باپ کے بعد زیدیہ کی امامت کا منصب سنبھالا، پھر ولید بن یزید بن عبدالملک کے دور میں 125ھ کے آخر یا 126ھ کے شروع میں خراسان کے علاقہ جوزجان میں ظلم اور لوگوں پر عام زیادتی کے خلاف سامنے آیا۔

جب یحییٰ نے بغاوت کی تو امیر خراسان نصر بن سیار نے اپنی پولیس کے افسر مسلم بن احوز مازنی کو اس کی طرف روانہ کیا۔ فریقین کے مابین کچھ معرکے ہوئے جو یحییٰ بن زید کی کنپٹی پر تیر لگنے سے ارعونہ نامی بستی میں اس کے قتل پر ختم ہوئے اس کا سر ولید کے پاس لے جایا گیا اور جسم کو جوزجان میں تختۂ دار پر لٹکایا گیا وہ تختۂ دار پر ہی رہا حتیٰ کہ ابومسلم خراسانی ظاہر ہوئے، انھوں نے مسلم بن احوز کو قتل کر دیا اور یحییٰ کی لاش کو اتار کر دفن کر دیا۔

یحییٰ بن زید اور آل بیت کے قتل کے بارہ میں دعبل خزاعی کہتا ہے۔

”کچھ قبریں کوفان میں اور کچھ مدینہ میں اور کچھ [وادی] فخ میں ہیں ان سب کو میری دعائیں پہنچیں، کچھ کا مقام جوزجان کے علاقہ میں ہے اور کچھ غربات کے قریب باخمری[1] میں ہیں۔“

کوفان سے اس کی مراد کوفہ ہے اس میں نواسۂ رسول اور آل بیت میں سے جو آپ کے ساتھ گئے تھے شہید کیے گئے، طیبہ سے اس کی مراد مدینۃ الرسول ہے اس میں محمد بن عبداللہ بن حسن

[1] بفتح الخاء المعجمة علی وزن سکری کوفہ سے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ قاموس 2 1071.

بن حسن بن علی اور آپ کے بعض اہل خانہ شہید کیے گئے اور فخ مکہ سے قریب ایک وادی ہے اس میں ابوعبداللہ حسین بن علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا اور جو جوزجان میں ہے وہ یحییٰ بن زید ہے اور باخمری کوفہ اور واسط کے درمیان ایک جگہ ہے اس میں ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب شہید کیے گئے انھیں حکومت عباسیہ کے کارندے یاقوت ترکی نے شہید کیا۔

حضرت زید رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی کو شیخین کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے لیکن اس بارہ میں حضرت زید نے خود حضرت علی سے ثابت شدہ حقیقت کی مخالفت کی ہے، یعنی جب محمد بن حنفیہ نے حضرت علی سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کا افضل شخص کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ابوبکر، ابن حنفیہ کہتے ہیں میں نے کہا پھر کون؟ تو آپ نے فرمایا: عمر۔[1] لیکن بایں ہمہ حضرت زید خلافت شیخین کو صحیح سمجھتے تھے اس میں مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ ہوا اس بنا پر وہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت کو صحیح سمجھتے ہیں اور احکام میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مقدمات میں اس کے فیصلوں کو مانتے ہیں۔

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ امام کے خلیفہ وحاکم بننے کے لیے خروج وبغاوت کو شرط سمجھتے تھے، ان کے بھائی ابوجعفر محمد بن علی بن حسین نے اس بارہ میں اعتراض کیا حتیٰ کہ ایک دن ان سے کہا: آپ کے مذہب کے فیصلہ کے مطابق تو آپ کے والد محترم کو بھی امام نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ انھوں نے کبھی بغاوت سے تعرض کیا اور نہ خروج کیا۔

ایسے ہی آپ کے بھائی محمد باقر نے معتزلہ کے سردار واصل بن عطاء سے آپ کی شاگردی کو معیوب جانا۔ زیدیہ کئی فرقوں میں بٹ گئے ان میں سے اہم فرقے جارودیہ، سلیمانیہ، جریریہ، بتریہ، صالحیہ اور یعقوبیہ ہیں۔

① صحيح البخاري، فضائل الصحابه، حديث 3671.

جارودیہ

یہ ابوالجارود زیاد بن منذر عبدی الاعمی کوفی کے پیروکار ہیں۔ حضرت باقر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سرخوب کا لقب دیا۔ سرخوب سے مراد ایک نابینا شیطان ہے جو سمندر میں رہتا ہے، ابوالجارود اپنے آپ کو اہلِ حدیث میں سے سمجھتا تھا اور اصحاب رسول کی خامیوں کے متعلق احادیث گھڑتا رہتا اسی طرح وہ کچھ احادیث فضائل اہل بیت کے بارہ میں بھی گھڑتا۔ امام یحییٰ بن معین نے اس کے بارہ میں فرمایا:

"کذاب ہے اللہ کا دشمن ہے کوڑی کے برابر بھی نہیں۔"[1]

جارودیہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضور نے حضرت علی کی امامت کے متعلق نام کے ساتھ نہیں صرف وصف کے ساتھ صراحت فرمائی تھی، ایسے ہی ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کی بیعت کے ترک سے صحابہ کرام [نعوذ باللہ] کافر ہو گئے تھے اسی عقیدہ کی بنا پر جارودیہ حضرت زید رحمہ اللہ کے مخالف ہیں، پھر ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن آنحضور کی صراحت یا اپنے والد محترم حضرت علی کی وصیت کی بنا پر امام تھے، پھر ان کے بعد ان کے بھائی حضرت حسین آنحضور کی صراحت یا اپنے بھائی کی وصیت کی بنا پر امام تھے، پھر اس کے بعد امامت حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں باہم مشورہ سے تھی۔

امامِ منتظر کے متعلق جارودیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض نے کسی خاص [شخص] کی تعیین نہیں کی بلکہ کہا حضرات حسنین کی اولاد میں سے جو خود اپنی تلوار لہرا کر اپنے دین کی طرف دعوت دے وہی امام منتظر ہے اور ان میں سے بعض اس محمد بن عبداللہ بن حسن بن

[1] تهذيب التهذيب 2 3861.

علی بن ابی طالب کے منتظر ہیں جسے ابوجعفر منصور کے دور میں عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی نے مدینہ منورہ میں قتل کیا تھا۔ وہ نہ اس کی موت کی تصدیق کرتے ہیں نہ اس کے قتل کو مانتے ہیں، یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہی وہ مہدی منتظر ہے جو ظاہر ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے [اس طرح] بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھر دی گئی تھی۔

ان میں سے بعض خراسان کے علاقہ طالقان میں بغاوت کرنے والے محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین کے منتظر ہیں۔ وہ اسے زندہ سمجھتے ہیں اور اس کی موت کو نہیں مانتے اور بعض مستعین کے دور میں کوفہ میں قتل ہونے والے یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین کے انتظار میں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہے اور وہ اس کی موت کا یقین نہیں رکھتے۔

یہ جارودیہ زیدیہ میں سے سب سے زیادہ گمراہ اور اہل حق و اعتدال کے دستور سے سب سے زیادہ دور ہیں۔

خلاصۂ مذہب جارودیہ

① وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کی امامت پر نام سے نہیں وصف کے ساتھ صراحت فرمائی ہے۔

② جب صحابہ کرام نے اس وصف کو نہ پہچانا اور نہ موصوف کی بیعت کی بلکہ انھوں نے آپ کے غیر کو پسند کر لیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو اس بنا پر انھوں نے صحابہ کرام کو کوتاہی سے موصوف کیا۔

③ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ ایسے ہی آنحضور ﷺ نے حضرت حسن اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی امامت کی بھی صراحت فرمائی تھی۔

④ صدیق اکبر کی بیعت کرنے کی بنا پر صحابہ کرام کو نعوذ باللہ کافر گردانتا۔

⑤ خلافت کو [اس کے بعد] حسنین کی اولاد میں باہم مشورہ سے محدود جاننا۔

⑥ ان میں سے بعض کا محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف بالنفس الزکیہ کا انتظار کرنا اور اس کی موت کی تصدیق نہ کرنا۔

⑦ ان میں سے بعض کا طالقان شہر والے محمد بن قاسم کا منتظر رہنا اور اس کی موت کو نہ ماننا۔

⑧ ان میں سے بعض کا یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسن بن زید کا انتظار کرنا اور اس کی موت کی تصدیق نہ کرنا۔

⑨ افضل کے ہوتے ہوئے [اپنی نگاہ میں] مفضول کی امامت کو وہ جائز نہیں جانتے۔

سلیمانیہ یا جریریہ

یہ سلیمان بن جریر زیدی کے پیروکار ہیں۔ اس کا نظریہ تھا کہ امامت باہمی مشورہ سے اہل بیت میں محصور ومحدود نہیں اور امت کے بہترین اور نیک افراد میں سے دو کے مقرر کرنے سے [خلیفہ کے لیے] مقرر و متعین ہو جاتی ہے، ان لوگوں نے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت کو جائز قرار دیا اسی لیے انھوں نے خلافت صدیق وفاروق کو جائز مانا اگرچہ ان کا خیال تھا کہ حضرت علی کے ہوتے ہوئے ان کے غیر کو چن لینے میں امت نے کوتاہی کی، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ اس اجتہادی مسئلہ میں امت کی خطا کفر وفسق تک نہیں پہنچتی۔

سلیمان بن جریر اور اس کے پیروکاروں نے حضرت عثمان پر طعن و تشنیع کی اور آپ کو ان اقدامات۔ جنھیں ان لوگوں نے اور ان کے علاوہ دوسرے ٹیڑھے دلوں والے اور دین سے پار ہونے والی اغراض کے حاملین ان لوگوں نے بدعات سمجھا۔ کی بنا پر کافر گردانا۔

اسی طرح حضرت طلحہ، زبیر اور صدیقہ بنت صدیق کو [ان جریریہ نے اپنے زعم کے مطابق] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے اقدام جنگ کی بنا پر کافر گردانا۔ ایسے ہی سلیمان بن جریر نے رافضہ پر بھی طعن و تشنیع کی اور کہا: رافضہ کے ائمہ نے اپنے شیعہ کے لیے دو ایسی باتیں وضع کر دی ہیں جن کی بنا پر کوئی آدمی ان پر غالب نہیں آ سکتا، اس سے اس کی مراد رافضہ کا ''بداء'' اور ''تقیہ'' کا قول ہے کیونکہ بداء، یعنی اللہ تعالیٰ کو خیال سوجھنا ان کے لیے آڑ اور سہارا بن گیا اب جس وقت بھی وہ کوئی خبر دیں کہ وہ ایسے ہوگی، پھر وہ نہ ہو تو وہ کہتے ہیں ''بداللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کو خیال آ گیا [ایسا نہ کرنے کا] ایسے ہی تقیہ کے بارہ میں ان کا قول ہے، چنانچہ جب وہ کوئی غلط بات کہتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے یہ باطل اور غلط ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نے تو یہ بات صرف تقیہ کرتے

ہوئے کہی تھی۔

خلاصۂ مذہب سلیمانیہ یا جریریہ

① ان کا نظریہ ہے کہ خلافت مسلمانوں کے باہم مشورہ سے ہوگی۔
② وہ امامت کے بہترین افراد میں سے دو کے مقرر کرنے سے متعین ہو جائے گی۔
③ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔
④ وہ ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان اور بعض دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر گردانتے ہیں۔
⑤ تقیہ کے قائل نہیں ہیں۔

بتریہ یا صالحیہ

یہ ایک آدمی کے پیروکار ہیں جسے کثیر النواء کہا جاتا ہے اور اس کا لقب ابتر ہے کہا جاتا ہے کہ حسن بن صالح بن صالح بن حیّ ہمدانی اس فرقہ کے سرکردہ راہنماؤں میں سے ہے، اس کی پیدائش 100ھ میں اور وفات 167ھ میں ہے یہ فرقہ اسی سے منسوب ہے جیسا کہ کثیر النواء ابتر سے بھی اسے منسوب کیا جاتا ہے۔

حسن بن صالح بن صالح بن حی اہلِ حدیث میں سے تھا، امام مسلم نے صحیح مسلم میں اور امام بخاری نے ادب المفرد میں اور اصحاب السنن نے [سنن میں] اس سے روایت بیان کی ہے، ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریب میں اس کے متعلق لکھا ہے: ''بے شک وہ ثقہ فقیہ اور عبادت گزار تھا۔'' پھر انھوں نے لکھا ہے کہ اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ [1]

رہا کثیر النواء تو وہ معتزلی تھا، بعض اہل علم نے اس کو محدثین میں شمار کیا ہے، لیکن وہ سلیمان بن جریر زیدی کے پیروکاروں میں سے ہو گیا اور اس مذہب میں اس کے تمام اصولوں کی موافقت کی جیسے اس کا کہنا: امامت باہمی مشورہ سے ہو گی اور یہ امت کے بہترین اور اعلیٰ افراد میں سے دو آدمیوں کے مقرر کرنے سے [خلیفہ کے لیے] متعین ہو جائے گی اور افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت صحیح ہے۔ بنابریں اس نے شیخین کی خلافت کو صحیح کہا اگرچہ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت علی ان کی نسبت خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور ان کے ہوتے ہوئے امت نے شیخین سے خلافت کی بیعت کر کے غلطی کی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اس غلطی کے ارتکاب سے امت کفر و فسق تک نہیں پہنچی۔

---

[1] تقریب التہذیب، ص 80.

پھر کثیر النواء نے سلیمان بن جریر کو حضرت عثمان کے بارہ میں اس کے قول کی بنا پر چھوڑ دیا کیونکہ اس سلیمان، حسن بن صالح بن حی اور ان کے پیروکاروں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں توقف اختیار کیا، چنانچہ انھوں نے نہ آپ کی مدح کی اور نہ مذمت اور کہا: جب ہم ان کے بارہ میں اور ان کے عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے بارہ میں احادیث سنتے ہیں تو کہتے ہیں: ان کے ایمان واسلام کے صحیح ہونے کا فیصلہ ضروری ہے اور جب ہم بنی مروان اور بنی امیہ کے پالنے اور ان کے بڑھانے پر ان کی فریفتگی اور ایسے امور کے ارتکاب کو دیکھتے ہیں جو منہج صحابہ سے ہٹے ہوئے تھے تو ہم کہتے ہیں ان پر کفر کا حکم لگانا ضروری ہے۔ اس طرح ہم حیران وپریشان ہو جاتے ہیں اور ان کے معاملہ میں توقف کر کے انھیں احکم الحاکمین کے سپرد کر دیتے ہیں۔

یہ بتریہ کہتے ہیں کہ جو آدمی تلوار سونت لے اور وہ سبطین [1] کی نسل سے ہو اور عالم زاہد اور بہادر ہو تو وہی امام ہوگا۔ انھوں نے دو ملکوں میں دو خلفاء کے وجود کو بھی جائز قرار دیا بشرطیکہ ہر ایک اپنا ملک علیحدہ کر لے تو پھر وہ اپنی قوم میں واجب الاطاعت ہوگا حتیٰ کہ اگر ان میں سے ایک دوسرے کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ دے تو ہر حال میں وہ حق پر ہوں گے اگرچہ ایک خلیفہ دوسرے کے خون کے مباح ہونے کا فتویٰ دے۔

یہ لوگ مردوں کے دنیا میں واپس آنے کے منکر تھے جیسا کہ یہ اس شخص کو بھی کافر گردانتے تھے جو شیخین کو کافر سمجھتا، جارودیہ، جریریہ اور بتریہ اس بات پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکبین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو اس عقیدہ میں وہ خوارج کے ہم نوا ہیں۔

خلاصۂ مذہب بتریہ

① امامت کو مسلمانوں میں باہمی مشاورتی سمجھتے ہیں۔

② امت کے بہترین اور نیک افراد میں سے دو کے مقرر کرنے سے [خلیفہ کے لیے] امامت

① سبطین سبط کا تثنیہ ہے اس کا معنی نواسہ ہوتا ہے عام اصطلاح میں اس سے دو نواسانِ رسول، یعنی حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما مراد لیے جاتے ہیں۔

متعین ہو جائے گی۔

③ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت کا جواز۔

④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں توقف کرتے ہیں۔

⑤ شیخین کو کافر کہنے والے کو کافر گردانتے ہیں۔

⑥ دو ملکوں میں دو خلفاء کو جائز قرار دینا۔

⑦ دو باہم متعارض فتاوی کو درست قرار دینا جبکہ وہ دو خلفاء سے صادر ہوں۔

⑧ مردوں کی دنیا میں واپسی کا انکار کرتے ہیں۔

⑨ جارودیہ، جریریہ اور بتریہ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ مرتکب کبیرہ ابدی جہنمی ہے۔

یعقوبیہ

یہ یعقوب بن علی کوفی کے پیروکار ہیں۔ یہ لوگ عقیدۃً حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتے ہیں لیکن جو انھیں کافر کہے اسے کافر نہیں گردانتے، اسی طرح یہ لوگ مردوں کے دنیا میں لوٹنے کا انکار کرتے ہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے اس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

اکثر زیدیہ فروع میں احناف کے ہم نوا ہیں جیسا کہ یہ اصول میں معتزلہ کے موافق ہیں، امام شہرستانی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ لوگ ائمہ معتزلہ کی ائمہ اہل بیت سے بھی زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔

رافضہ

اس فرقے کا نام اس لیے رافضہ رکھا گیا کیونکہ انھوں نے حضرت زید بن علی بن حسین کو اس وقت چھوڑ دیا تھا۔ جب انھوں نے شیخین کے بارہ میں ان کا عقیدہ پوچھا اور آپ نے ان کے بارہ میں اچھے کلمات کہے اور فرمایا میں نے اپنے والد محترم کو ان کے بارہ میں اچھے کلمات کہتے ہی سنا ہے اور وہ دونوں میرے دادا کے وزیر تھے۔

جب اس عقیدہ کی بنا پر وہ آپ کو چھوڑ گئے تو آپ نے ان سے کہا تھا ''رفضتمونی'' یعنی تم نے مجھے چھوڑ دیا اور الگ کر دیا اس وقت سے ان پر رافضہ کا اطلاق شروع ہوا۔

اس سے قبل یہ لوگ خشبیہ کے نام سے معروف تھے کیونکہ یہ صرف خشب، یعنی لکڑی سے ہی جنگ لڑتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تلوار سے جنگ امام معصوم کے جھنڈے تلے ہی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اس فرقہ پر امامیہ کا لفظ بھی بولا جاتا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی کی امامت کی بطور صریح نص اور یقین صادق صراحت فرمائی تھی۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ دین میں امامت سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے نبی امام کی تعیین کے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں کیونکہ آپ تو اختلافات کو ختم کرنے اور اتفاق و محبت کو مضبوط کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اس دنیا سے چلے جائیں اور امت کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ جائیں ہر ایک اپنی رائے رکھے اور ہر ایک انسان اس راہ کو اپنائے جس پر دوسرا نہیں چلتا، اس لیے لازم ہے کہ آپ ایک ایسے شخص کو مقرر کر جائیں جو احکام شریعت جانتا ہو مرجع خلائق ہو اور آپ اس امام کی ایسی صراحت کر جائیں جو شکوک و شبہات کی محتمل نہ ہو۔

پھر ان کا خیال ہے کہ کچھ مقامات پر آنحضور نے اشارۃً اور کچھ دیگر مقامات پر صراحتاً حضرت علی کو امامت کے لیے متعین فرمایا۔ ان کا خیال ہے کہ یہ آپ کا اشارہ ہی ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا، پھر ان کے بعد حضرت علی کو روانہ کیا تاکہ آپ لوگوں کو میدان عرفات میں سورۂ براءۃ [توبہ] پڑھ کر سنا دیں اور آپ ہی لوگوں کو آنحضور کی طرف سے پیغام پہنچانے والے بن جائیں وہ کہتے ہیں یہ بات حضرت علی کو حضرت ابوبکر سے مقدم رکھنے پر دلالت کرتی ہے۔

نیز ان کا خیال ہے کہ یہ بھی اس بارہ میں آنحضور کا اشارہ ہی ہے کہ آپ ابوبکر وعمر پر دیگر صحابہ کرام کو لشکروں اور جماعتوں کا امیر مقرر فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ان پر حضرت عمرو بن عاص کو اور ایک مرتبہ اسامہ بن زید کو امیر مقرر فرمایا جبکہ حضرت علی پر کبھی کسی کو امیر مقرر نہیں فرمایا۔

اب رہی خلافت علی کے بارہ میں آنحضور کی صراحت تو یہ کہتے ہیں کہ وہ غدیر خم[1] والی حدیث میں مذکور ہے کہ "میں جس کا دوست ہوں تو حضرت علی بھی اس کے دوست ہیں۔"[2] ان کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بارہ میں نص صریح ہے کہ آپ کے بعد حضرت علی ہی امام ہوں گے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ آنحضور نے فرمایا ہے:

"تم میں سے سب سے زیادہ [صحیح] فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں۔"[3]

---

[1] یہ مرکب اضافی ہے غدیر بمعنی تالاب اور خم مکہ ومدینہ کے درمیان جُحفہ سے تین میل کے فاصلے پر پست جگہ میں درختوں کے ایک جھنڈ کا نام ہے جس سے یہ تالاب منسوب ہے۔ صحیح مسلم، حدیث: 2408. نووی: 279/2

[2] غدیر خم والی مذکورہ حدیث صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، باب من فضائل علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث: 2408 پر مذکور ہے لیکن اس میں یہاں مستدل بہ الفاظ موجود نہیں یہ الفاظ مسند احمد ج1 ص 118,84 اور 152,119 اور ج4 ص 37 پر مذکور ہیں، نیز ترمذی میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ تحفة الاحوذی، المناقب، باب مناقب علی......، حدیث: 3713.

[3] یہ روایت حضرت عمر سے موقوفاً بخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿ما ننسخ من آیة......﴾، حدیث: 4481 وفضائل القرآن، باب القراء من اصحاب رسول اللہ ﷺ، حدیث: 5005.
ص 644 پر اور ص 748 پر بلفظ "اقرء نا أبی واقضانا علی" اور "علی اقضانا و أبی اقرؤنا" مذکور ہے اور ابن ماجہ میں یہ مرفوعاً بھی مذکور ہے جیسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن ماجہ میں ص1 311 پر ذکر فرمایا ہے۔

ان کا خیال ہے کہ یہ بھی آپ کی امامت کے بارہ میں نص صریح ہے کیونکہ جب تک امام سب قاضیوں سے بڑا قاضی نہ ہو امامت کا کوئی معنی نہیں۔

نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اس کی صراحت ہی ہے کہ آنحضور نے حضرت علی سے فرمایا تھا:

''میرے ہاں تیرا وہی مقام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا تھا مگر میرے بعد نبی کوئی نہیں۔''①

رافضہ کی ذکر کردہ ان احادیث میں اس بات کی صراحتاً کوئی دلیل نہیں جس کا وہ گمان کیے بیٹھے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دوستی حضرت علی ہی سے خاص نہ تھی بلکہ سب نیک مومن اللہ کے رسول کے دوست وساتھی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تو بے شک خود اللہ تعالیٰ، جبریل اور نیک مومن اس [پیغمبر] کے دوست و معاون ہیں۔''②

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ مومنوں کا دوست ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ومعاون ہے......'' الآیۃ③

اور اہل علم میں سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ آیت اس بات کی مقتضی ہے کہ سب [مومن] معصوم ائمہ ہوں۔

اسی طرح آپ کے فرمان ''تم میں سے سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس پر دال ہو کہ آپ کے بعد امام حضرت علی ہوں گے کیونکہ کسی آدمی کے فیصلہ کرنے میں افضل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہی امام ہو اور یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ امام کی خاص صفت بہت فیصلے کرنے میں ہے کیونکہ [یہ دیکھیے:]

---

① جامع الترمذی، المناقب، باب حدیث غریب: أنا دارالحکمۃ......، حدیث3728 و سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث: 115.

② تحریم 4. ③ محمد 11.

داود علیہ السلام امام تھے اس کے باوجود کھیتی۔ جب رات کو اس میں قوم کی بکریاں چر گئیں۔ کے فیصلہ والے قصہ میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''ہم نے اس کا فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔''[1]

ایسے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانا:

''تیرا مقام میرے ہاں وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا تھا مگر میرے بعد نبی کوئی نہیں۔''

اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے امام ہونے کی کوئی نص نہیں کیونکہ ہارون تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد امام نہ تھے بلکہ وہ تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

پھر اس حدیث کا سبب ورود بھی آپ کی مراد کو واضح کرتا ہے چنانچہ جب آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت علی کو اپنا نائب مقرر کر کے تبوک جانے کا ارادہ فرمایا تو بعض منافقین نے کہا: آپ حضرت علی کو اپنا نائب اس لیے بنا گئے ہیں کہ آپ انھیں بوجھ سمجھتے ہیں اور انھیں پسند نہیں کرتے، جب یہ بات حضرت علی کے علم میں آئی تو آپ نے اپنی تلوار اٹھائی اور مقام ''جرف''[2] میں آپ سے جا ملے اور آپ کو منافقین کے مذکورہ قول کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ہاں تیرا وہی مقام ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کا تھا۔''[3]

گویا آپ حضرت علی سے کہہ رہے تھے کہ مدینہ میں آپ کو نائب بنانا ایسے ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کو اس وقت اپنا خلیفہ بنانا تھا جب وہ اپنے رب کے وقت مقررہ پر گئے اور موسیٰ علیہ السلام

---

① انبیاء 21: 79.

② مدینہ سے قریب ہی بطرف خیبر ایک چھوٹی سی بستی جو اب تک آباد ہے جامعہ اسلامیہ سے مشرق میں پڑتی ہے۔ جامعہ کے بہت سے طلبہ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ یہاں رہائش رکھتے ہیں کیونکہ جامعہ سے قریب بھی ہے اور نسبتاً کم کرایہ پر مکان مل جاتے ہیں۔

③ دیکھیے البدایۃ والنہایۃ ص5 81.

کا ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کرنا بغض یا انھیں بوجھ محسوس کرنے کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

اسی طرح وہ شفقت جسے موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کے لیے اپنے اندر محسوس فرما رہے تھے اس میں بھی ایک نسبت ہے جس کی مشابہت اللہ کے رسول اور حضرت علی کے درمیان پائی جاتی تھی اور وہ یہ ہے کہ بنت رسول فاطمۃ الزہراء آپ کے حبالہ عقد میں تھیں اور حضرت فاطمہ ان کے بیٹوں اور خاوند سے آنحضور کی محبت محتاجِ بیان نہیں اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے مابین بھی ماں کی طرف سے اسی طرح کا تعلق تھا، اس لیے ہارون موسیٰ علیہما السلام سے کہتے ہیں:

﴿ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي﴾

”اے میرے مادری بھائی! قوم نے مجھے کمزور جانا اور مجھے قتل کر دینے والے ہی تھے۔“[1]

نیز آپ کہتے ہیں:

﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾

”یعنی میرے مادری بھائی! میرے سر اور داڑھی کو نہ پکڑ۔“[2]

نیز جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کریم کے وقت مقررہ کے لیے اپنی قوم کے بہترین افراد کو لے گئے اسی طرح رسول کریم بھی غزوہ تبوک کے لیے قوم کے بہترین افراد لے گئے جن لوگوں کو آپ لے گئے ان میں ابو بکر و عمر بھی تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع امام بنے موسیٰ علیہ السلام نے خلافت اپنے بیٹوں یا بھتیجوں کو نہ دی۔

ان روافض نے غلو سے کام لیا اور برگزیدہ اصحابِ رسول کو کافر گردانا حتیٰ کہ عشرہ مبشرہ سے بغض رکھتے ہوئے لفظ عشرہ کو بھی برا جانا مگر حضرت علی کو الگ کر لیا، حالانکہ اثبات حق یا تردید باطل میں ہندسوں کا کوئی دخل نہیں [دیکھیے] اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو سات سات بنایا ہے

[1] اعراف 150۔ [2] طٰہٰ 94۔

اور جہنم کے دروازے بھی سات بنائے ہیں مگر یہ لوگ مذکورہ وجہ کی بنا پر لفظ عشرہ کو بولتے تک نہیں۔

مخلوق میں سے ان کے ہاں سب سے مبغوض اور برے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ کے رسول کے وزراء آپ کی شوریٰ کے افراد اور وہ لوگ ہیں جن سے اللہ کے رسول وفات تک راضی ہی رہے۔

رافضہ کئی اقسام میں بٹ گئے ہم ان میں سے درج ذیل کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

محمدیہ

یہ وہ لوگ ہیں جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم ہی امام منتظر ہیں۔ محمد مذکور 100ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک ثقہ، عبادت گزار اور پرہیزگار عالم تھے۔ اسی لیے ''نفس زکیہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابوجعفر منصور کے دور 145ھ میں آپ نے خروج کیا تو ابو منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی کو ان کی طرف بھیجا اس نے ان سے جنگ کی حتیٰ کہ محمد شہید ہو گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کا سر ابوجعفر منصور کی طرف بھیج دیا۔

یہ محمدیہ ان کی موت اور قتل کو نہیں مانتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نجد کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ''کوہ حاجز'' میں زندہ ہیں یہاں تک کہ آپ کو نکلنے کا اذن ہوتا کہ آپ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری گئی۔

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ افتراء پرداز اور گمراہ مغیرہ بن سعید عجلی بعض اوقات محمد بن عبداللہ بن حسن کی امامت کی دعوت دیتا تھا اور کہتا تھا یہی مہدی منتظر ہے جیسا کہ اس سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ بعض اوقات وہ محمد باقر کی امامت کی دعوت دیتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ اسے وصیت کر گئے ہیں، یہ مغیرہ اپنی افتراء پردازی گمراہی اور کبھی علویوں سے برکت حاصل کرنے پر قائم رہا تا آنکہ خالد بن عبداللہ قسری بجلی نے اس کا پیچھا کیا اسے گرفتار کیا اور سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔

محمد بن عبداللہ کے قتل کے بعد مغیرہ عجلی کے پیروکار کئی فرقوں میں بٹ گئے ایک فرقہ نے اس کی موت کو مان لیا اور مغیرہ سے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا: اس نے ہم سے اپنے دعویٰ میں جھوٹ بولا کہ محمد بن عبداللہ پوری زمین کا مالک بنے گا جبکہ وہ تو قتل کر دیا گیا نہ زمین کا مالک بنا نہ اسے

عدل وانصاف سے بھرا۔

ایک فرقہ مغیرہ بن سعید سے تعلق پر قائم رہا اور اس نے کہا: یقیناً محمد بن عبداللہ بن حسن قتل نہیں ہوا مقتول تو شیطان تھا جو لوگوں کے سامنے محمد بن عبداللہ کا روپ دھار کر آ گیا اور یہ محمد تو نجد کے کوہ حاجز میں زندہ ہے۔ ضروری ہے کہ اس کا ظہور ہو، پھر مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان اس کی بیعت کی جائے۔

خلاصۂ مذہب محمدیہ

① یہ اعتقاد کہ محمد بن عبداللہ بن حسن ہی مہدیٔ منتظر ہے۔

② اور یہ کہ وہ کوہِ حاجز میں زندہ ہے حتیٰ کہ اس کا ظہور ہو، پھر وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے جس طرح وہ ظلم سے بھری تھی۔

③ وہ قیامت سے پہلے مُردوں کی دنیا کی طرف واپسی کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

اثنا عشریہ

یہ شیعہ یا امامیہ کے مشہور فرقوں میں سے ہے، انھیں اثنا عشریہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان اماموں کی لڑی میں۔ جن کے بارہ میں ان کا گمان ہے کہ آنحضور نے اپنے بعد ان کی امامت کی صراحت فرمائی تھی۔ بارہواں امام امام منتظر ہے اور وہ امام محمد بن حسن عسکری ہے۔ نصیریہ کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے ہم نے اشارہ کیا تھا کہ یہ اثنا عشریہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے گھر کی سرنگ میں چھپ گیا تھا جہاں وہ اب تک مخفی ہی ہے وہ عنقریب واپس آئے گا اور زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری گئی، چھپنے کے وقت اس کی عمر چار یا آٹھ سال تھی [جبکہ] ہم یہ بات بھی لکھ آئے ہیں کہ حسن عسکری کے اہلِ بیت اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ اس نام کا ان کا کوئی بیٹا ہو۔

اثنا عشریہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم [نعوذ باللہ] مرتد ہو گئے تھے کیونکہ وہ صدیق اکبر کی امامت پر متفق ہو گئے اور حضرت علی کا حق چھین لیا، حالانکہ ان کے خیال کے مطابق وہ بصراحت خلافت کے مستحق تھے، پھر وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے قرآن کی کچھ سورتیں چھپالیں خصوصاً وہ سورت جس کا نام اثنا عشریہ سورت ولایت رکھتے ہیں۔

یہ اسماعیلیہ سے زیادہ دور نہیں اگر چہ یہ انھیں کافر گردانتے ہیں۔ اس امت کی سب سے افضل شخصیات ابوبکر وعمر وعثمان۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخصیات ہیں۔ ایسے ہی یہ باطنیہ کی طرح ظاہر وباطن کے بھی قائل ہیں۔ اس وقت یہ عراق، ایران، پاکستان اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، ایران میں ان ہی کی حکومت قائم ہے۔

اہلِ سنت وجماعت

یہ وہ [پارسا] لوگ ہیں جو دلوں میں اس بات کا اعتقاد رکھتے اور زبانوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ نماز ادا کرتے، زکاۃ دیتے اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔ ان میں سے صاحب استطاعت بیت اللہ کا حج بھی کرتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ [کی ذات] اس کے فرشتوں، کتابوں، اس کے رسولوں، روزِ قیامت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تاویل نہیں کرتے اور نہ ہی [ان میں سے] کسی چیز کو اس کے ظاہری معنی چھوڑ کر غیر ظاہری معنی کے لیے اشارہ بناتے ہیں۔ ایسے ہی یہ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات عالیہ جو خود اس نے یا اس کے رسول نے اس [عظیم ذات] کے لیے ثابت فرمائی ہیں اس کے لیے ثابت مانتے ہیں یہ صفات کسی تعطیل[1] تاویل[2] تشبیہ تکییف یا تمثیل کے بغیر ان کے ہاں ثابت ہیں۔

وہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی اس سے ملتا

---

[1] تعطیل، یہ عطل سے مأخوذ و مشتق ہے جس کا معنی ہے خالی ہونا اور چھوڑ دینا، اسی سے فرمان باری تعالیٰ ''وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ'' یعنی چھوڑے ہوئے کنویں جنھیں ان کنووں والوں نے چھوڑ دیا ہو اور ان پر پانی لینے کے لیے آنا جانا ترک کر دیا ہو، یہاں اس سے مراد صفات الٰہیہ کی نفی اور رب تعالیٰ کی ذات کو ان سے خالی قرار دے کر گویا معطل کر دینا ہے۔

[2] تاویل، اس کا اشتقاق اول سے ہے، لغت میں اس کے معنی پھیرنے اور موڑنے کے ہیں اور اصطلاحاً لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے اس معنی کی طرف پھیرنا جس کا وہ متحمل ہو تاویل ہے، پھر وہ معنی اگر کتاب وسنت کے موافق ہو جیسے فرمان باری تعالیٰ ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ہے، اب اگر اس سے مراد پرندے کا انڈے سے نکلنا ہو تو یہ تفسیر اور اگر مومن کا کافر سے یا عالم کا جاہل سے نکلنا مراد ہو تو تاویل ہے۔ دیکھیے کتاب التعریفات للجرجانی ص50.

جلتا یا ہم شکل بھی نہیں نہ اس کا باپ ہے نہ بیٹا نہ بیوی اور نہ کوئی شریک۔ اس کے اول ہونے کے لیے کوئی ابتدا نہیں اور اس کے آخر ہونے کے لیے کوئی انتہا نہیں۔ صفت بیان کرنے والے اس کی صفت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی غور و فکر کرنے والے اس کی حقیقت کا احاطہ کر سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور وہ اس کے علم میں سے کچھ نہیں لے سکتے، مگر جو وہ از خود انہیں دینا چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور اسے ان کی حفاظت تھکاتی بھی نہیں اور وہ بہت عظیم و برتر ہے۔''①

وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عزت والے عرش پر ہے۔ زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز بھی اس کے علم سے مخفی نہیں، اسی نے انسان کو وجود بخشا اور وہ اس کے اس وسوسے اور خیال کو بھی جانتا ہے جو اس کا نفس اس [کے دل] میں ڈالتا ہے اور وہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

''جو پتا بھی جھڑتا ہے تو وہ اس کے علم میں ہوتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اترتا ہے اور نہ کوئی ہری اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ ظاہر کتاب میں [مرقوم] ہے۔''②

وہ عرش پر مستوی ہے اور بادشاہت پر حاوی، وہ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے وہ اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کی صفات مخلوق ہوں یا اس کے اسماء نئے پیدا کردہ۔

وہ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اس کی کلام اس کی صفات میں سے ہے اس کی مخلوق میں سے نہیں، پہاڑ پر تجلی کی تو وہ اس کی عظمت سے [گر کر] زمین کے برابر ہو گیا اور قرآن اللہ تعالیٰ کی کلام ہے مخلوق نہیں اور نہ ہی مخلوق کی صفت۔

''اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر دوات جسے مزید سات سمندر سیاہی دیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات [لکھنے میں] ختم نہ ہونے پائیں۔''③

① البقرة 2: 255۔ ② أنعام 6: 59۔ ③ لقمان 31: 27۔

اور اہل سنت و جماعت اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر مقرر فرمائی اور امور کی تقدیریں اس کے قبضہ میں ہیں اور اسی کے فیصلہ سے جاری ہیں اس نے ہر چیز کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے جان لیا اب وہ اسی کے مطابق جاری ہے، اس کے بندوں کا کوئی بھی قول وعمل اس کی تقدیر و قضا اور اس کے بارہ میں اس کے علم مقدم کے بغیر نہیں ہوتا:

''کیا جس نے پیدا کیا وہ جانتا نہیں، حالانکہ وہ باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے۔''[1]

جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے پس اسے اپنے عدل سے ذلیل کر دیتا ہے اور جسے چاہے [سیدھی] راہ دکھا دیتا ہے پس اسے اپنے فضل سے توفیق عنایت فرماتا ہے، چنانچہ ہر آدمی اس کی عنایت سے ہی اس کام کی توفیق دیا ہوا ہے جو پہلے سے اس کے علم و تقدیر میں تھا، یعنی وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت۔

اس کی بادشاہی میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے وہ بندوں کا پروردگار ہے۔ اسی نے انھیں اور ان کے افعال کو پیدا فرمایا، وہی ان کی حرکات اور موت کے اوقات مقرر کرنے والا ہے۔

ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کی طرف رسولوں کو بھیجنے والا ہے۔ اس نے رسالت و نبوت کو محمد ﷺ پر مکمل کر دیا، لہٰذا اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اس نے آپ پر اپنی کتابِ حکیم اتاری اور اس کے ذریعے اپنے دین قیم کی وضاحت فرمائی اور راہِ راست دکھلائی۔

اہل سنت و جماعت اس بات کے بھی مقر ہیں کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور جو فوت ہوا، اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا:

''جس طرح اس نے تمھیں پہلی بار بنایا دوبارہ پھر بنو گے۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے نیکیاں دوگنی کر دے گا اور توبہ کی بنا پر ان کے کبیرہ گناہ معاف فرما دے گا اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب و پرہیز کی بنا پر صغیرہ گناہ بھی بخش دے گا اور

---

① المُلک 67: 14. ② الاعراف 7: 29.

جس نے کبائر سے توبہ نہ کی ہوگی اسے اپنی مرضی میں رکھے گا اپنے اس فرمان کے مطابق:

''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔''[1]

تو جسے وہ اپنی آگ کے ذریعے سزا دے گا، پھر اسے [بالآخر] ایمان کی بنا پر وہاں سے نکال لے گا اور اپنی جنت میں داخل کر دے گا اس طرح آگ سے وہ گناہ گار بھی نکل آئیں گے جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سفارش فرمائیں گے۔

اہل سنت و جماعت ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرما دیا ہے اور اسے اپنے اولیاء کے لیے ہمیشگی کا گھر بنا دیا ہے۔ اپنے چہرہ مکرم کی زیارت کے ذریعے وہ انھیں وہاں عزت دے گا۔

''اس دن بہت سے چہرے خوش وخرم ہوں گے اپنے رب کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔''[2]

یہ وہی جنت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ اور اپنے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف بھیجا۔

اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا فرمایا اور اسے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کی آیتوں، رسولوں اور کتابوں کے بارہ میں کجروی اختیار کی۔ ہمیشگی کا گھر بنا دیا اور اپنی زیارت سے محروم رکھا۔

اہل سنت و جماعت ثابت کرتے ہیں کہ روز قیامت فرشتوں کی صفیں بنی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوں گے۔ اُمتوں کی پیشی ہوگی ان کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا اہتمام ہوگا، ترازو انصاف والے ہوں گے جو بندوں کے اعمال تولنے کے لیے رکھے جائیں گے پھر جن کے اعمال بوجھل اور بھاری ہوں گے تو وہ کامیاب اور جن کے میزان ہلکے ہوں گے تو وہ گھاٹا

---

[1] النساء 4: 48 و 116۔ [2] القیامہ 22، 23۔

پانے والے ہوں گے۔

اور جب لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اپنے نامہ ہائے اعمال دیے جائیں گے، پھر جسے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملا تو اس سے آسان سا حساب لیا جائے گا اور وہ خوش وخرم اپنے اہل وعیال کی طرف پلٹے گا اور رہے وہ آدمی جنھیں اعمال نامے ان کی پشت کے پیچھے سے ملے تو وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

اُمت محمدیہ [علی صاحبھا الف تحیۃ] میں سے ستر ہزار افراد حساب وکتاب اور سزا کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ تو بدشگونی لیتے ہوں گے نہ [حصول شفا] کے لیے خود جسم پر داغ لگاتے ہوں گے اور نہ دم کرواتے ہوں گے، اور اپنے رب کریم پر ہی توکل کرتے ہوں گے انھی میں سے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔[1]

اہل سنت و جماعت عقیدہ رکھتے ہیں کہ پل صراط سے لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پار ہوں گے، چنانچہ نجات پا جانے والے مسلمان اس پل سے پار ہونے کی رفتار میں مختلف درجات والے ہوں گے جبکہ کچھ اور لوگوں کو ان کے اعمال ہلاک کر دیں گے اور وہ جہنم میں جا گریں گے۔

وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حوض [کوثر] برحق ہے آپ کی امت اس پر آئے گی جو اس سے پی لے گا پیاسا نہیں ہوگا اور جس نے [دین کو] بدل دیا وہ دور ہٹا دیا جائے گا۔[2]

ایسے ہی وہ ایمان رکھتے ہیں کہ ایمان دل سے اخلاص زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے وہ نیکیوں سے بڑھتا جبکہ گناہوں سے گھٹتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی عمل دو شرطوں کے بغیر قبول نہیں فرماتے:

① خالص اسی کے لیے ہو۔

---

① صحيح البخاري، اللباس، باب البرود والحبر، حديث 5811، وصحيح مسلم، الايمان، باب الدليل على دخول طوائف...... حديث: 216.

② اشارة الى حديث الحوض الذى رواه مسلم في صحيحه، الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ.

② رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو۔

اہل سنت و جماعت صرف اسے کافر کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے کفر کا حکم لگایا ہو اور [ان کا عقیدہ ہے کہ] شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور رزق کھا رہے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں زندہ ہیں [دوبارہ] اٹھائے جانے کے دن تک ناز و نعمت میں ہیں جبکہ بدبختوں کی روحیں قیامت تک عذاب میں ہیں اور قبروں میں مومنوں کا حساب ہوتا ہے (جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ انھیں پختہ قول کے ساتھ دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتے ہیں)①

اہل سنت و جماعت تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں پر نگران مقرر ہیں جو ان کے اعمال لکھ رہے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی رب تعالیٰ کے علم سے بھی مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے۔

نیز وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس صدی والوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لائے وہ سب سے اچھی صدی ہے، پھر ان کے بعد ان کا درجہ ہے جو ان سے قریب ہیں پھر ان کا جو ان سے قریب ہیں۔②

پوری امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے **افضل**، راہِ راست والے خلفاء راشدین ہیں، یعنی ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم اور صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا اچھے انداز کے بغیر تذکرہ کرنا جائز نہیں اور ان کے مابین جو اختلافات رونما ہوئے ان سے پہلو تہی کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اس بات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے لیے بہترین معذرتیں تلاش کی جائیں اور ان کے بارہ میں اچھے چال چلن کا گمان رکھا جائے۔

اہل سنت و جماعت اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلفاء میں سے نیک و بد کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا برحق ہے جیسا کہ ان میں سے نیک و بد کے پیچھے نماز ادا کی جاتی

---

① ابراهیم 27.

② اشارة إلى حديث: خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم الحديث صحيح البخاري، الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور...... ، حديث 2651.

ہے۔ مسلمانوں کے امور کے متولیاں اور ان کے علماء کرام کی اطاعت گناہ کے کام کے سوا [دین کے] ہر کام میں واجب ہے۔

سلف صالحین کی اتباع اور ان کے قدموں کے نشانات کی پیروی ان کے لیے بخشش مانگنا اور دین میں جنگ و جدال سے اجتناب اور ہر اس کام سے دوری ضروری ہے جو مبتدعین نے جاری کر لیا ہو اور بدعت کے شوقینوں نے شروع کیا ہو کیونکہ پوری بھلائی ان لوگوں کی اتباع میں ہے جو گزر گئے اور پوری خرابی ان لوگوں [کی اتباع] میں ہے جو بعد میں آئے ، اللہ کے رسول ﷺ ہمیں واضح صحیح راستے پر چھوڑ گئے ہیں کیونکہ آپ ہم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی سنت چھوڑ گئے ہیں، اللہ عظیم نے سچ فرمایا جب یہ کہا:

"آج میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا اور اپنی نصیحت پوری کر دی اور میں نے اسلام کو بطور دین تمھارے لیے پسند کر لیا۔"[1]

و صلی اللّٰہ و سلم و بارک علی سیدنا محمد وعلی اٰلہ وصحبہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین

[1] المائدہ 5 31۔

ادیان ومذاہب پر عمدہ کتب

1۔ **البرهان فی معرفة عقائد أهل الأديان** للعلامة السكسكى المتوفى: 683۔
مكتبة المنار۔ أردن، صفحات: 119

2۔ **موسوعة الأديان الميسرة** تقریباً تیس افراد پر مشتمل کمیٹی نے ترتیب دیا ہے۔
دار النفائس بيروت لبنان، صفحات: 552

3۔ **الملل والنحل** للشهرستانى المتوفى: 548۔ مؤسسة الكتب الثقافية۔
2 جلدیں، صفحات: 456 بیروت۔ اس کا ترجمہ ادارہ قرطاس کراچی یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔
مترجم: پروفیسر علی محسن صدیقی

4۔ **الموسوعة الميسرة فى الأديان والمذاهب المعاصرة** الندوة العالمية للشباب الإسلامى (الرياض) تحت اشراف مانع بن حماد جهنى

5۔ **فِرَق الهند** المتنسبة للإسلام ڈاکٹر محمد کبیر احمد چودھری
دار ابن الجوزى جده (الرياض)، صفحات: 703

6۔ مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ (اُردو)

7۔ **الفرْقُ بين الفِرَق** لأبى منصور البغدادى۔ مطبعة المدنى۔ مصر

8۔ **مقارنات بين الأديان** ڈاکٹر احمد شلبی

9۔ **الفصل فى الملل والأهواء والنحل لابن حزم** طبع مصر

پس نوشت

کائنات کا مشاہدہ اور فطرت کا مطالعہ انسان کے افعالِ عظیمہ کا ایک اہم ترین حصہ رہا ہے۔ یہ ایک عارفانہ جستجو ہے۔ یہ کبھی مدہم یا ماند نہیں پڑسکتی۔ پرانے زمانے کا انسان آفتاب و ماہتاب کی چمک دمک، ستاروں کی تنک تابی اور قوسِ قزح کی رنگینیاں دیکھتا تھا تو حیرت زدہ رہ جاتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ زندگی کیا ہے؟ کیا یہ کوئی اندھی بہری قوت ہے جو از خود پیدا ہو گئی؟ یہ چاروں طرف پھیلا ہوا معمۂ ہستی کیا ہے؟ کیا یہ زمین و آسمان خود بخود ظہور میں آ گئے؟ کیا یہ دنیا آپ ہی آپ بن گئی؟ طرح طرح کے انسان یہاں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ یہ کہاں سے آتے ہیں؟ کیوں آتے ہیں؟ کہاں چلے جاتے ہیں؟ اور کس لیے چلے جاتے ہیں؟ یہ اور ایسے ہی بہت سے دیگر سوالات انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائے اپنا جواب مانگ رہے تھے اور انسان بے بسی کی حالت میں دم بخود تھا۔

یونان کے ارسطو، ایران کے زرتشت، چین کے کنفیوشس اور ہندوستان کے کرشن جی اور گوتم بدھ نے اپنے اپنے طور پر بقدرِ استطاعت ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر وہ انسان کو چنداں مطمئن نہ کر سکے۔ بالآخر اسلام نے ان سوالوں کا نہایت واضح، مدلل جامع اور شافی جواب مہیا کر دیا۔ اسلام نے بتایا کہ انسان خود بخود نہیں بنا اور یہ دنیا بھی اپنے آپ ظہور میں نہیں آئی بلکہ یہ سارا کارخانۂ زندگی ایک نہایت مقدس، برتر، غالب، کار آفرین اور نادیدہ ہستی نے اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ کسی کی نظر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اُس کی ایک ادنیٰ سی جھلک بھی دیکھ سکے۔ لیکن اس کی شان یہ ہے کہ وہ سب کو دیکھ رہا ہے۔ اُسے نیند آتی ہے نہ اُونگھ! وہ یگانہ ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ البتہ اُس کے لطف و مرحمت کے سب محتاج ہیں۔ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا، نہ کوئی اس سے پیدا ہوا۔ کوئی ہستی نہیں جو اس کی برابری کر سکے۔ وہی اپنی یگانہ ذات سے اصل ہے۔ باقی جو کچھ ہے سب اُس کے حکم سے ہے۔ وہ ازل سے ہے اور اُس کی ہمیشگی ابدی، لامتناہی، لازوال اور بے پایاں ہے۔

اُسی نے انسان کی تخلیق فرمائی۔ پھر اُسی نے کرم فرمایا۔ انسان کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ پیغمبر بھیجے۔ سب سے آخر میں امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جن کے اسوۂ حسنہ کی بدولت انسانیت اوجِ کمال پر پہنچ گئی۔ اب انسان کی فلاح وسعادت کی واحد راہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے درسِ توحید کو حرزِ جان بنائے اور فخرِ انام حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کرے۔

کسی بھی مذہب کے مطالعے کے لیے سب سے زیادہ اہم اور فوری توجہ طلب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کا نظریۂ الٰہ کیا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کے جواب سے زندگی کی قدر و قیمت اور اس کا معیار متعین ہوتا ہے۔ اسلام نے اس سوال کا ابدی صداقت سے لبریز جو بے مثل جواب دیا ہے وہ قیامت تک انسان کی رہبری کرتا رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان اسوۂ حسنہ کی روشنی میں خود کو اللہ کی ذاتِ عالی کی بندگی کے لیے وقف کر دے تو اس کی ترقی کے امکانات لامحدود ہو جاتے ہیں۔

آج کی معاصر دنیا میں برہمنیت، یہودیت، مجوسیت، بدھ مت، عیسائیت، بہائیت اور دیگر چھوٹے بڑے مذاہب موجود ہیں۔ انھیں ایک ایک کر کے ٹٹولتے چلے جائیے اور بتائیے کہ کیا ان میں سے کسی بھی مذہب نے توحید کا وہ پاکیزہ اور ایمان افروز سبق دیا ہے جو انسان کے باطنی مطالبے کا جواب، معمۂ ہستی کا اصل حل، کارگاہِ حیات کی اساس اور فلاحِ انسانیت کی بنیاد ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ وہ محبت وشفقت کا آسمانی پیغام لائے تھے۔ انجیل ان کی اخلاقی فضیلت اور تعلیم کا جوہر نمایاں کرتی ہے اُس کا ایک پہلو یہ بتایا گیا ہے: It is better to be killed than to kill چاہے تمھیں قتل کر دیا جائے، مگر تم کسی کو ہلاک نہ کرو۔ کسی کو قتل کرنے سے بہتر یہی ہے کہ تم قتل ہو جاؤ۔

کیا آج کی عیسائیت میں اس سبق کی کوئی ادنیٰ سی رمق بھی پائی جاتی ہے؟ اس سبق کے برعکس آج کی ترقی یافتہ عیسائی اقوام نے ایٹم بم، کلسٹر بم اور ہائیڈروجن بم بنا کر پورے کرۂ ارض کی زندگی کو نہایت مہلک خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کی تھی اور سوسائٹی کو بھی یہی سبق دیا تھا۔ انھوں نے تثلیث کا گورکھ دھندا کبھی پیش نہیں کیا۔ آج حالت یہ ہے کہ کاروبارِ تثلیث کی پیچیدگیوں سے خود بڑے بڑے عیسائی سکالر پریشان ہیں اور طرح طرح کے فکری مغالطوں میں مبتلا ہیں۔

ذرا ہندومت پر نگاہ ڈالیے۔ یہ دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ بلاشبہ یہ پرماتما کی خبر

دیتا ہے، مگر ہندومت کے طرح طرح کے توہمات کی پرچھائیوں نے سچائی کی اس ایک کرن کو بھی ماند کر دیا ہے۔ ہندو ستاروں کی چال کے بڑے معتقد ہیں۔ شبھ گھڑی جانچے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے ہاں ذات پات کی جکڑ بندی اس قدر محکم ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود اس کی بندشیں آج تک ڈھیلی نہیں پڑیں۔ مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا، ہندوستان میں لاتعداد شودر آج بھی انتہائی توہین آمیز ماحول میں بے بسی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ ہندو سماج پر برہمن کا راج ہے اور برہمنوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ ایشور کے منہ سے پیدا ہوئے۔ یہ لوگ بے شمار بتوں کے علاوہ گائے، بیلوں اور سانپوں کو بھی پوجتے ہیں۔ بیواؤں کو منحوس گردانتے ہیں۔ ان کی تاریخ کورو پانڈو کی جنگ کی تاریخ ہے۔ اُجنتا کے غار ان کا تہذیبی سرمایہ ہیں۔ بھلا یہ مذہب انسان کو کیا سکھ پہنچا سکتا ہے؟ ہندوؤں کو اسلام کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر مسلمان نہ آتے اور ہندوستان پر ان کی حکمرانی کا سکہ نہ چلتا تو ہندو بیوائیں آج بھی چتا کے شعلوں میں سلگ رہی ہوتیں۔

بدھ مت کو دیکھیے۔ یہ عجیب وغریب گورکھ دھندا ہے۔ اس میں اللہ کی ذاتِ عالی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہ انسانوں کو بھکشو بننے اور بھیک مانگنے کی ترغیب دیتا ہے۔

یہی حال یہودیت اور دیگر مذاہب کا ہے۔ یہودیوں نے اپنی آسمانی کتاب کو مسخ کیا۔ دولت کو اپنا معبود بنا لیا اور اس زعم باطل میں گرفتار ہو گئے کہ ہم سب انسانوں سے افضل اور نجات یافتہ قوم ہیں۔ فی الجملہ یہودیت، ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور جملہ مذاہب میں سے کسی کے پاس وہ نسخۂ شفا نہیں ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور دکھی انسانیت کو راحت وطمانیت کی بشارت دی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے لیے اس کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں کہ وہ اسلام ہی کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اختیار کرے اور اپنے تمام دکھوں سے نجات پا جائے۔ باقی تمام مذاہب ایوان تاریخ کی یادگار ہیں۔ یہ تاریخ کے مختلف ادوار کی طرف چند بلیغ اشارے کرتے ہیں اور تقابلی مطالعے کا سامان ہیں۔ اس سے زیادہ اب ان کی کوئی عملی افادیت نہیں۔

تقابل ادیان اپنی جگہ ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔ اس سے انسان کے ذہنی ارتقاء کے مختلف مراحل سامنے آتے ہیں اور اسلام کی حقانیت روز بروز اُجاگر ہوتی چلی جاتی ہے۔ تقابلِ ادیان کے سلسلے میں عظیم بھارتی سکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک کی محنت وجستجو ایک مایۂ ناز کارنامہ ہے۔ جس کی گونج آج ساری دنیا میں سنائی دے رہی ہے۔ تقابل ادیان درحقیقت انسان کے مختلف ذہنی رویوں کا مطالعہ ہے۔ یہ مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کی عقل کن کن مراحل میں پڑاؤ ڈالتی رہی، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی رہی، سچائی

کی تلاش میں کن نتائج تک پہنچی اور عملی زندگی کے لیے کن اسالیب کی خبر دیتی رہی۔ انسان کی دماغی نشوونما اور عقلی بلوغت کا یہ سفر بہت سی ضمنی اور ذیلی معلومات کا آئینہ دار ہے۔ عہد در عہد اور نسل در نسل اس سفر کا جو سب سے اہم پہلو اُجاگر ہو کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ماوراہستی کی جستجو اور ادراک و احساس خود انسان کی فطرت کا پر جوش مطالبہ تھا۔ اسلام نے اس مطالبے کو بلند آہنگ کر دیا، اس نے بار بار سیدھے سادے انداز میں انسانی عقل وشعور کو مخاطب کیا اور اس کی توجہ مظاہر فطرت کی طرف دلائی اور رہ رہ کر پوچھا کیا تم آسمان کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس نے بلندی عطا کر دی۔ پہاڑوں پر نظر نہیں ڈالتے کہ انھیں کس نے صلابت بخشی۔ کیا تمھیں مہتاب کی چاندنی، ستاروں کا غمزہ اور گھٹاؤں کا نظارہ بھی متاثر نہیں کرتا۔ غور تو کرو یہ بارش کون برساتا ہے؟ پیاسی زمین کو کون جل تھل کر دیتا ہے؟ اور خزاں رسیدہ باغوں میں بہاروں کے قافلے کون بھیج دیتا ہے؟ اسلام نے اسی طرح کے سوالات کر کے انسان کے ذہن کو کریدا اور اللہ رب العزت کی ذات عالی سے رُوشناس کرایا۔

تقابل ادیان کے ذریعے اسلام کی حقانیت اُجاگر کرنے کے لیے جن علمائے کبار نے انتھک کام کیا ہے ان میں مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شیبة الحمد کا نام نمایاں ہے۔ مسلم پبلی کیشنز کے ارباب اختیار قابل تبریک ہیں کہ انھوں نے اس فاضل اجل کی ایمان افروز کتاب ''الأَدْيَانُ وَالفِرَقُ وَالْمَذَاهِبُ الْمُعَاصِرَةُ'' معیاری پیمانے پر شائع کی۔ اپنی اس جامع تحقیقی کاوش میں مؤلف ﷾ نے ادیان و مذاہب اور فرقوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، ان کے بانیوں کے حالات سامنے رکھے ہیں، ان ادیان و مذاہب کے آغاز اور پس منظر سے آگا کیا ہے، ان کے عقائد و نظریات واضح کیے ہیں، ان کی مقدس کتابوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اور ان کا اسلام سے تقابل کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی کی وبا کس طرح پھوٹ پڑی؟ اس نادر روزگار کتاب کی افادیت نے فضیلۃ الاستاذ ابوعبداللہ مولانا محمد شعیب ﷾ کے ذوق علم وادب میں تموج پیدا کیا اور انھوں نے بہت محنت اور لگن سے اس کا اردو میں نہایت شستہ اور آسان ترجمہ کر دیا۔

فی الجملہ اس خرد افروز اور ایمان پرور کتاب کی اشاعت **مسلم پبلیکیشنز** کا قابل تحسین کارنامہ ہے۔ اللہ رب العزت اسے قبول فرمائے اور ہر انسان کے قدموں کو صراط مستقیم پر ڈال دے۔ یہ کتاب عالم اسلام کی مایۂ ناز مدینہ یونیورسٹی میں گریجوایشن کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کا اسلوب نگارش دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔

احمد کامران

حضرت محمد ﷺ کے پاس بے سروسامان ارادوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔کوئی سیاسی جماعت تھی، نہ کوئی فوجی جتھا، مال و زر تھا نہ کوئی جاگیر۔آپ ﷺ نے صرف اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کیا۔دن رات محنت کی اور صرف 23 برس کی مدت میں عظیم الشان اسلامی انقلاب برپا کر کے ایک پسماندہ اور گم کردہ راہ قوم کے لیل و نہار بدل ڈالے۔رسول اللہ ﷺ جزیرۂ عرب میں پیدا ہوئے، مگر آپ کوئی قوم پرست نہیں تھے۔آپ کی تعلیمات عربوں کی مقامی سیاست اور قبائلی معاملات سے بہت بالا تھیں۔آپ کی گفتار، کردار، رفتار اور افکار میں عالم گیر شان نظر آتی ہے۔ آپ نے عربی، عجمی، امیر، غریب، کالے، گورے، شرقی، غربی، سامی اور غیر سامی کی ہر تمیز اٹھا کر پوری انسانیت کو صرف اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی اور ہر رنگ و نسل کے انسانوں کو نیک اعمال کی زندگی کا شعور بخش کر متحد کر دیا۔اللہ رب العزت پر اٹل ایمان اور شریفانہ اعمال کی زندگی، بس اسلام اسی کا نام ہے جو سارے عالم اور ہر زمانے کے تمام انسانوں کے لیے آیا ہے...... کیا دنیا کا کوئی مذہب اتنا سچا، اتنا سادہ، اس قدر جامع اور ایسا عالم گیر نظام زندگی پیش کر سکتا ہے؟ زیر نظر کتاب ''اقوام عالم کے ادیان و مذاہب'' میں یہی عالمانہ جائزہ لے کر اسلام کی ابدی سچائیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

اسے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے۔

اس کتاب کا ہر ورق ایمان پرور اور خرد افروز ہے۔